فرح ملک کا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'': ایک مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے بی۔ایس (اردو)

سیشن: 2021ء۔2025ء

مقالہ نگار

ملائکہ ظفر

رول نمبر: GCBFT-054

بی ایس اردو

نگران مقالہ

محمد یونس

لیکچرار شعبہ اردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج، فتح پور

شعبہ اردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج، فتح پور

غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

بسم الله الرحمن الرحيم

تصدیق نامہ

اس امر کی تصدیق کی جاتی ہے کہ میں نے بی۔ایس (اردو) کی طالب علم ملائکہ ظفر، رول نمبر GCBFT-054 سیشن: 2021ء۔2025ء کے تحقیقی مقالہ بعنوان **''فرح ملک کا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'': ایک مطالعہ''** کا مطالعہ دقتِ نظر سے کیا ہے۔ میں طالبِ علم کے تحقیقی کام سے مطمئن ہوں اور اس امر کی اجازت دیتا ہوں کہ اس کا یہ مقالہ بی۔ایس (اردو) کی ڈگری کے حصول کے لیے جمع کروادیا جائے۔

محمد یونس

لیکچرار شعبہ اردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج، فتح پور

''اقرارنامہ''

میں **ملائکہ ظفر**، رول نمبر 2021-GCBFT-054 طالب علم برائے بی۔ایس شعبہ اردو اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ میں پیش کیا جانے والا مواد بعنوان:

فرح ملک کا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'': ایک مطالعہ

میری ذاتی کاوش ہے اور یہ کام پاکستان یا پاکستان سے باہر کسی بھی تخلیقی یا تعلیمی ادارے کی طرف سے شائع، طبع یا پیش نہیں کیا گیا۔

____

دستخط مقالہ نگار

ملائکہ ظفر

تاریخ______________

انتساب

والدین کے نام جن کی دعا، محبت اور قربانی میری کامیابی کا اصل سرمایہ ہے

فہرست ابواب

نمبر شمار		صفحہ نمبر
	پیش لفظ	
۱	باب اول: فرح ملک کا سوانحی خاکہ	1
۲	باب دوم: شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' کا تعارف	12
۳	باب سوم: ''نہیں رہیں گے'' کا موضوعاتی مطالعہ	19
۴	باب چہارم: ''نہیں رہیں گے'' کا اسلوبیاتی مطالعہ	53
۵	محاکمہ	77
۶	کتابیات	90

پیش لفظ

میرا تعلق ایک ایسے گھرانے سے ہے جہاں ادب اور فنونِ لطیفہ کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شاعری کا شوق ابتدا میں صرف ایک مشغلہ تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ شوق ایک گہرے جذبے میں بدل گیا۔ اردو شاعری نے نہ صرف میرے جذبات کی ترجمانی کی بلکہ مجھے اظہار کا سلیقہ بھی سکھایا۔ الحمدللہ! مجھے اردو شاعری جیسے لطیف اور گہرے فن پر تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا، جس نے میرے ذوق، دلچسپی اور برسوں کے مطالعے کو ایک نئی سمت دی۔ یہ مقالہ میری ادبی وابستگی اور مشاہدے کا نچوڑ ہے۔ اس تحقیق میں کوشش کی گئی ہے کہ اردو شاعری کی فکری و فنی جہات کو اجاگر کیا جائے، اور اسے عصری تقاضوں اور سماجی تناظر میں بھی سمجھا جائے۔

اس مقالے کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے تاکہ فرح ملک کی شاعری کا جامع اور منظم مطالعہ پیش کیا جا سکے۔ باب اول ''فرح ملک کا سوانحی خاکہ'' پر مشتمل ہے جس میں ان کی ابتدائی زندگی، حالات، اور وہ اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں جنھوں نے ان کے شعور اور فکری سمت پر اثر ڈالا۔ باب دوم ''شعری مجموعہ نہیں رہیں گے کا تعارف'' پر مبنی ہے، جس میں اس مجموعے کی ساخت، موضوعات، اور نظم و ترتیب کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ باب سوم ''نہیں رہیں گے کا موضوعاتی مطالعہ'' کہلاتا ہے، جس میں ان تمام موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے جنھیں فرح ملک نے اپنی شاعری میں شامل کیا ہے۔ باب چہارم ''نہیں رہیں گے کا اسلوبیاتی جائزہ'' ہے، جس میں شاعرہ کے اندازِ بیان، زبان و اسلوب، علامتوں اور اظہار کے فنی طریقوں کا تجزیہ شامل ہے۔ آخر میں ''محاکمہ'' کے عنوان سے تحقیق کا خلاصہ اور تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس سے مقالے کے تمام نکات کو سمیٹا گیا ہے۔

میں دل کی گہرائی سے اپنے محترم استاد، جناب محمد یونس صاحب کی شکر گزار ہوں جنھوں نے میری رہنمائی فرمائی اور ہر مرحلے پر علمی بصیرت عطا کی۔ اسی طرح پروفیسر خالد محمود صاحب اور سلیم آکاش صاحب کا تعاون بھی میرے لیے باعثِ حوصلہ رہا۔ میں اپنی قریبی دوستوں مناحل مصطفیٰ، انجم پروین اور محسن علی کی بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے تحقیق کے ہر مرحلے میں میری ہمت بندھائی، علمی بات چیت سے نفع پہنچایا اور مفید مشورے دیے۔ اور آخر میں، اگر میں اپنی چھوٹی بہن علیزہ گُل کا ذکر نہ کروں تو یہ پیش لفظ مکمل نہیں ہوگا۔ اس کی

معصوم دعائیں، بے لوث محبت اور بے ساختہ خوشیاں میرے دنوں کو روشن کرتی رہیں۔ اس کی موجودگی میرے لیے ایسا سکون تھی، جس نے تحقیق کی محنت کو محبت میں بدل دیا۔ یہ مقالہ میری ایک عاجزانہ کوشش ہے۔ میں بخوبی جانتی ہوں کہ علم کا یہ سفر ابھی مکمل نہیں ہوا، بلکہ یہ ایک نئے راستے کا آغاز ہے۔

ملائکہ ظفر، ۱۹۔ جون ۲۰۲۵ء
گورنمنٹ گریجویٹ کالج، فتح پور

باب اول

فرح ملک کا سوانحی خاکہ

چکوال پاکستان کے صوبہ پنجاب کا ایک تاریخی اور قدرتی حسن سے مالا مال شہر ہے۔ یہ شہر شمالی پنجاب میں واقع ہے، جو اسلام آباد سے تقریباً 90 کلومیٹر جنوب مغرب میں اور لاہور سے 270 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کا محلِ وقوع سطح مرتفع پوٹھوہار میں ہے اور اپنی قدیم تہذیب، آثارِ قدیمہ، خوبصورت وادیوں اور ثقافتی ورثے کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں تقریباً 5000 سال پرانی سون تہذیب کے اثار ملے ہیں۔ موجودہ شہر کی بنیاد 1525ء میں چوہدری چاکو خان نے رکھی، جو میر منہاس راجپوت قبیلے کے سردار تھے۔ برطانوی دور میں یہ ضلع جہلم کی تحصیل تھا، اور یکم جولائی 1985ء کو اسے ضلع کا درجہ دیا گیا۔ چکوال میں کئی دلکش مقامات ہیں جو سیاحوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس کے مشہور قدرتی اور تاریخی مقامات میں کلر کہار، کٹاس راج مندر، قلعہ ملوٹ اور جنجی نیشنل پارک ہیں۔ یہ مقامات نہ صرف چکوال کی خوبصورتی کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ تاریخ اور فطرت کے حسین امتزاج کا منظر بھی پیش کرتے ہیں۔

چکوال علم و ادب کے میدان میں نمایاں شخصیات کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے شعرا و ادبا نے اردو اور پنجابی ادب میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ چکوال کی چند معروف علمی و ادبی شخصیات میں ماجد صدیقی (اردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر)، افضل منہاس (اردو شاعر)، فتح محمد ملک (اردو کے ممتاز نقاد، محقق اور ادیب)، منور عزیز (شاعر و ادیب) اور تابش کمال (اردو اور پنجابی کے شاعر) قابلِ ذکر ہیں۔ انھی شعراء و ادبا میں سے ایک اہم نام فرح ملک کا بھی ہے۔ فرح ملک نے 20۔جنوری کو چکوال کے ایک دینی و علمی گھرانے میں جنم لیا۔ آپ کا تعلق معزز علوی خانوادے سے ہے۔ آپ کے والد محترم، جن کا نام کرم شاہ علوی تھا، ایک باوقار اور علم دوست شخصیت تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی تدریس کے شعبے سے وابستہ تھیں۔ یوں علم و ادب کا ذوق آپ کو وراثت میں ملا۔ آپ کے والدین دونوں عمرِ عزیز پوری کرنے کے بعد اس فانی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، مگر ان کی علمی خدمات اور تربیت کا فیض آج بھی آپ کی شخصیت میں جھلکتا ہے۔

فرح ملک کے چار بھائی اور ایک بہن ہے۔ بہن اور ایک بھائی دیارِ غیر میں مقیم ہیں۔ باقی تین بھائیوں میں سے ایک وکیل، دوسرے پی۔ ٹی۔ وی، اسلام آباد میں نیوز کے شعبے سے منسلک رہے جبکہ تیسرے بھائی بزنس مین ہیں۔ فرح ملک کے مطابق:

> ''والدین نے ہم بہن بھائیوں کی تعلیم پر بہت زور دے کر مکمل کروائی تاکہ سب بھائی معاشرے کا کارآمد حصہ بن کر رہیں۔''[1]

تعلیم:

فرح ملک نے اپنی ابتدائی تعلیم چکوال کے تعلیمی اداروں سے حاصل کی۔ ان کے والدین تعلیم کے اعلیٰ معیار کے خواہاں تھے، اس لیے بچوں کی بہتر تعلیمی پرورش کی خاطر چکوال سے راولپنڈی ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ چکوال میں اس وقت بھی معیاری اسکول اور کالجز موجود تھے، مگر اُن کا خواب تھا کہ اُن کے بچے ایک وسیع تر علمی ماحول میں تعلیم حاصل کریں۔ راولپنڈی منتقلی کے بعد فرح ملک نے گورنمنٹ ویمن کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن سے گریجویشن مکمل کی، جہاں اُن کی علمی استعداد کو مزید نکھار ملا۔ تعلیم کے ساتھ اُن کی دلچسپی طب کے شعبے میں بھی نمایاں رہی، چنانچہ انہوں نے ہومیو پیتھک میڈیکل سائنسز میں بھی ڈگری حاصل کی۔ وہ بتاتی ہیں کہ طب اور تعلیم دونوں اُن کے لیے صرف پیشے نہیں بلکہ خدمتِ خلق کا ذریعہ ہیں، اور یہی جذبہ اُن کے والدین کی تربیت کا عملی مظہر ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ:

> ''مجھے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ لیکن میٹرک میں، سینٹ پال سکول میں سائنس ٹیچر کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ شوق پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا اور آرٹس میں تعلیم مکمل کرنا پڑی۔ لیکن شوق اور خواہشات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ جب راولپنڈی شفت ہوئے تو اس وقت راولپنڈی میں ہومیو پیتھک میڈیکل کالج کھل چکا تھا۔ اس طرح والدین سے خواہش ظاہر کی کہ شام کی کلاسز میں داخلہ کروا دیں۔ پہلے تو والدین نے سمجھایا کہ صبح ایک کالج میں کلاسز لے کر شام کو بالکل مختلف کالج میں پڑھائی کرنا مشکل ہوجائے گا۔ لیکن والدین نے میری ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ امی نے کہا ہم نے صرف فیس اور کتابوں کا انتظام کرنا ہے۔ پڑھنا تم نے ہے۔ اور وارننگ دی کہ فیل نہیں ہونا۔ خیر جی داخلہ ہوگیا۔ صبح ویمن کالج میں اور شام ہومیو پیتھک میڈیکل کالج میں پڑھائی شروع ہوگئی۔ دونوں کالجز میں امتحان بھی اکٹھے آجاتے تھے۔ خیر خدا خدا کرکے چار سال اسی جدوجہد میں گزر گئے اور ادھر گریجوایشن کے امتحان ہوئے اور ساتھ ہی میڈیکل کے بھی امتحان ختم ہوئے۔ بی۔اے میں مناسب مارکس لے کر کامیابی ملی جب کہ ہومیومیڈیکل سائنسز میں ٹاپ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کہ کامیابی دونوں طرف سے مل گئی۔''[۲]

انھی دنوں فرح ملک کے لیے ایک رشتہ آیا، مگر ان کے والدین نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ابھی اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔ لیکن افتخار ملک جو فرح ملک کے شوہر ہیں۔ ان کے والدین نے یقین دہانی کروائی کہ اگر فرح شادی کے بعد ماسٹرز کی تعلیم جاری رکھنا چاہے گی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اُن کا تعلق بھی ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاندان سے تھا، اس لیے وہ فرح ملک کے تعلیمی خوابوں کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ شادی کے بعد انھوں نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ ماسٹر کرنے کے بعد جاب بھی کی۔ اس حوالے سے وہ بتاتی ہیں کہ:

> ''بہر حال، شادی ہوگئی اور میں نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کی ڈگری بھی شادی کے بعد کامیابی سے مکمل کر لی۔ تعلیم کے بعد دل میں جاب کا شوق بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ چنانچہ راولپنڈی کے ایک کالج میں چند ماہ ہاؤس جاب کر کے اس جذبے کو عملی شکل دی۔ کچھ عرصہ اپنا پرائیویٹ کلینک بھی چلایا تاکہ عملی میدان میں خود کو آزما سکوں اور اپنے شوق کی تسکین کر سکوں۔''۳؎

فرح ملک کے شوہر، افتخار ملک، دو بھائیوں میں سے ایک ہیں۔ ان کے والد ایک ماہر زرعی انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب تاجر بھی تھے، جن کا کاروبار پاکستان کے مختلف شہروں میں پھیلا ہوا تھا۔ بڑے بھائی پاک فوج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز رہے اور حال ہی میں کرنل کے رینک سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ والدہ نہ صرف سماجی خدمت سے وابستہ تھیں بلکہ مقامی سیاست میں بھی فعال کردار ادا کرتی تھیں۔ وہ اپنے علاقے کی کونسلر منتخب ہوئیں اور فلاحی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتی رہیں۔ ایسے تعلیم یافتہ، بااثر اور فلاحِ عامہ کا علمبردار خاندان کا ماحول فرح ملک کی شخصیت اور مزاج پر بھی گہرا اثر چھوڑ گیا۔ ان میں خود اعتمادی، مقصد سے وابستگی، اور سماجی شعور انہی اثرات کی جھلک ہے، جو اُن کے قول و فعل اور طرزِ زندگی میں بخوبی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ فرح ملک سے جب ہم نے ان کی پریکٹیکل زندگی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ:

> ''میں نے پہلی جاب یونیسف (UNICEF) میں کی۔ ایک ویمن پروجیکٹ جو پورے ملک کے لیے شروع ہوا تھا۔ جس میں بہت اچھی ملازمت ملی اور کام کے ساتھ ملک کے بہت سے شہر بھی دیکھنے کو ملے۔ اس شعبے میں کامیابی کے ساتھ دو سال مکمل کرنے کے بعد ایک جرمن آرگنائزیشن ''FNF'' فریڈرک نائومن فاؤنڈیشن نے اسلام آباد میں ایک پراجیکٹ شروع کیا۔ ہم نے انٹرویو دیا تو جاب مل گئی۔ سہولیات اور ماہانہ تنخواہ بھی کافی زیادہ تھی۔ جہاں چار سال کام کیا۔ اسی اثنا میں منسٹری آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اسلام آباد میں ایک نیا پراجیکٹ ''انکم جنریٹنگ پراجیکٹ فار ویمن'' شروع ہوا۔ وہاں

انٹرویو دیا تو جاب مل گئی۔ بہرحال یہ پراجیکٹ پانچ سال کا تھا۔ یہ پراجیکٹ پورے ملک کے شہروں اور دیہاتوں کے لیے تھا۔ جہاں ہماری پوری ٹیم کو خواتین کو ٹریننگ دینا ہوتی تھی۔ اس طرح ہر مہینے ہم پندرہ دن اسلام آباد سے باہر کسی شہر یا گاؤں میں کام کرتے اور پندرہ دن اسلام آباد آفس میں آ کر پیپر ورک کرتے۔ پراجیکٹ چاروں صوبوں یعنی پنجاب، سندھ، بلوچستان، کے۔ پی۔ کے، آزاد کشمیر اور گلگت کے لیے تھا۔ یاد رہے کے۔ پی۔ کے میں قبائلی علاقہ جات بھی شامل تھے۔ ہمارا سفر ''انکم جنریٹنگ پراجیکٹ فار ویمن'' کی سرکاری گاڑی میں ہوتا تھا اس لیے ہم نے کام بھی کیا اور اپنے پیارے وطن کو بھی دیکھ لیا۔ خوب سیر کی۔''[۴]

فرح ملک نے اس کے بعد ایک این۔ جی۔ او کی داغ بیل ڈالی جو کہ (ARYED) یعنی (Association for Rural Youth and Environmmental Development) کے نام سے رجسٹر کروائی۔ جس کی فرح ملک فاؤنڈر پریزیڈنٹ تھی۔ ARYED میں انھوں نے بہت سے پراجیکٹ کیے جس میں سے ایک یوتھ ایکسچینج پراجیکٹ بھی تھا۔ جسے پروگرام منسٹری آف یوتھ کی طرف سے فنڈنگ کیا گیا۔ جس میں بیس نوجوانوں کو اسلام آباد سے بذریعہ سڑک بلوچستان لے جانا تھا اور وہاں کے نوجوانوں کے ساتھ کام، تعلیم اور خیالات کا تبادلہ کرنا تھا۔ جو کہ کامیابی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سنٔ 2000ء میں ان کے خاوند کو کمپنی کی طرف سے یو۔ کے بھیجا گیا تو اس طرح لندن سدھار آئے۔ لندن سے پھر سکاٹ لینڈ شفٹ ہو گئے۔ سکاٹ لینڈ میں 2001ء میں شہر گلاسگو میں رہائش پذیر ہوئے۔ فرح ملک سکاٹ لینڈ کے واحد ریڈیو ''آواز ایف ایم'' سے پریزینٹر کے طور پر منسلک ہو گئیں اور ابھی تک ''آواز ایف ایم'' کے ساتھ ہی کام کر رہی ہیں۔ ان کے خاوند افتخار اشرف ملک نیشنل ہیلتھ سروسز (NHS) میں کوئن الزبتھ ہسپتال میں ایڈمنسٹریشن کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔

اولاد:

فرح ملک کے دو بیٹے ہیں: حسن افتخار اور حمزہ افتخار۔ حسن افتخار نے فرانزک سائنسز میں ماسٹرز کی ڈگری گلاسگو یونیورسٹی، اسکاٹ لینڈ سے حاصل کی، جبکہ حمزہ افتخار نے بی ایس سی آنرز کے بعد میڈیا ایڈوائزری کے شعبے سے وابستگی اختیار کی اور بعد ازاں ماسٹرز کی تعلیم مکمل کی۔ دونوں اس وقت اسلام آباد میں مقیم ہیں اور اپنے اپنے شعبوں میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے دونوں بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ، باصلاحیت اور اپنے کیریئر میں معتبر

عہدوں پر فائز ہیں، جو والدین کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ ہمارے استفسار پر فرح ملک نے بتایا:

''ان کے بچوں کا دل دیارِ غیر میں نہیں لگا۔ اپنا ملک یاد آتا تھا۔ اس لیے واپس سدھار گئے۔ سچ پوچھیں تو میرا دل بھی اپنے ملک پاکستان میں ہی لگتا ہے۔''۵؎

فرح ملک نے گلاسکو میں رہتے ہوئے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں نہ صرف کامیابیاں سمیٹیں بلکہ اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت اور تعلیم پر بھی خاص توجہ دی۔ مگر انھیں وطن کی مٹی سے محبت نے بے چین کیے رکھا۔ ان کی زندگی کا سفر مادرِ وطن سے جُڑے رہنے کی ایک روشن مثال ہے۔ اُن کے بیٹے، جو بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آئے، اپنے والدین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ملک وقوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کی اپنے وطن سے محبت کے حوالے سے نعیم فاطمہ علوی نے بھی اپنے ایک مضمون میں ذکر کیا ہے:

''اپنے وطن کی محبت میں گندھی فرح ملک کے بچے تو کب کے پاکستان آ بسے تھے۔ اب وہ دونوں میاں بیوی اپنی ریٹائرمنٹ کا انتظار کر رہے تھے تاکہ وہ بھی زیادہ وقت پاکستان میں گزار سکیں۔''٦؎

ادبی سفر:

ادبی ذوق اور اظہارِ خیال کی صلاحیتیں انسان کے اندر یکایک پیدا نہیں ہوتیں، بلکہ اکثر یہ وراثت، ماحول اور تربیت کا حسین امتزاج ہوتی ہیں۔ فرح ملک کو بھی لکھنے، بولنے اور تخلیقی انداز میں اپنی بات کہنے کا ہنر گھر کے ماحول سے ملا۔ یہ شوق ابتدا میں معمولی سا تھا، مگر وقت کے ساتھ فرح ملک کی شخصیت کا اہم جزو بن گیا۔ اسی حوالے سے ادبی سفر کے بارے میں ہمارے سوالات کے جواب دیتے ہوئے فرح ملک نے بتایا کہ:

''آرٹیکل لکھنا، شعر کہنا، سکول میں تقاریر کرنے کا شوق تو فیملی کی طرف سے ہی ورثہ میں ملا تھا۔ لیکن والد صاحب نے سکول اور کالج میں ڈیبیٹ میں حصہ لینے کی تو اجازت دے دی۔ کالج میگزین میں بھی لکھنے کی اجازت تھی لیکن شاعری پر تھوڑی سی پابندی لگائی کہ کہیں میں اس جھنجھٹ میں پھنس کر تعلیم سے دور نہ ہو جاؤں۔ لیکن شوق کہاں مرتا ہے۔ کچھ نہ کچھ لکھ لیتی تھی۔ کبھی شعر، کبھی غزل اور کبھی نظم لکھتی تھی تو والد صاحب سے ہی تصحیح کروا لیتی تھی۔ اس طرح نثر اور شاعری میں پہلے استاد میرے والد صاحب تھے۔''۷؎

فرح ملک کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم، پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور معاشرتی مصروفیات میں گزرا، جس کے

باعث نثر و شاعری جیسے تخلیقی مشاغل کو ثانوی حیثیت دینا پڑی۔ تاہم، جب زندگی کے معمولات میں کچھ ٹھہراؤ آیا اور ذمہ داریوں میں قدرے کمی ہوئی، تو انہوں نے ایک بار پھر قلم کو اپنا ساتھی بنا لیا اور مکمل طور پر اپنے تخلیقی شوق کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران ان کا تعلق ریڈیو سے قائم ہوا، جو ان کی ادبی اور تخلیقی صلاحیتوں کو ایک نئی وسعت دینے کا ذریعہ بنا۔ ریڈیو سے وابستگی کے آغاز میں ہی اُن کی پہلی کتاب ''یادوں کا سفر: پاکستان'' منظرِ عام پر آئی، جو اُن کے مشاہدات، تجربات اور وطن سے جڑے جذبات کا آئینہ تھی۔ جب ریڈیو پر باقاعدہ پروگرام کرنے کا موقع ملا تو ریڈیو مینجمنٹ نے اُن سے کہا کہ وہ پاکستان پر کوئی پروگرام ترتیب دیں۔ اس موقع پر، جیسے قسمت نے اُن کے خوابوں کو آواز دے دی ہو۔ ''اندھا کیا چاہے دو آنکھیں'' کے مصداق، اُنہیں وہی موضوع مل گیا جس سے وہ دلی طور پر وابستہ تھیں۔ انہوں نے فوراً اپنے پروگرام کا خاکہ پیش کیا اور اس کا عنوان رکھا: ''یادوں کا سفر''۔ فرح ملک نے ریڈیو ڈائریکٹر سے کہا: ''میں پاکستان کی سیر، آواز کے ذریعے کروانا چاہتی ہوں۔'' پہلے پہل ڈائریکٹر کچھ شش و پنج میں مبتلا ہوئے کہ یہ تجربہ کیسا رہے گا اور اس کا انداز کس طرح منفرد ہوگا۔ مگر فرح ملک نے پُراعتماد انداز میں گزارش کی: ''مجھے ایک دو پروگرام آزمانے دیں، اگر سامعین کو پسند نہ آئیں تو ہم موضوع یا انداز تبدیل کر لیں گے۔'' یوں اُن کے اس منفرد آئیڈیے کو منظوری ملی، اور پھر یہ پروگرام سامعین میں نہ صرف مقبول ہوا بلکہ ایک یادگار سلسلے کی شکل اختیار کر گیا، جو نا صرف پاکستان کی ثقافت، تاریخ اور خوبصورتی کو اجاگر کرتا تھا بلکہ فرح ملک کے تخلیقی سفر کا سنگِ میل بھی ثابت ہوا۔ اپنے پروگرام کے بارے میں فرح ملک بتاتی ہیں کہ:

> ''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پروگرام پسندیدگی کی حدوں کو چھو گیا۔ یادوں کو سمیٹ کر میں پاکستان پر کتاب لکھنا شروع کر چکی تھی۔ جسے میں نے ریڈیو پر آواز کے ذریعے پردیسی لوگوں تک پہنچایا۔ پروگرام اتنا پسند کیا گیا کہ یو۔کے کے علاوہ کینیڈا، امریکہ اور دوسرے کئی ممالک سے فون کالز پر بتایا جاتا کہ ہم اس پروگرام کا انتظار کرتے ہیں۔''۸؎

یوں ریڈیو پر پروگرام کرتے کرتے تقریباً چار سال اور چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ اس دوران، فرح ملک نے اپنے پروگرام ''یادوں کا سفر'' کے تحت جو ریسرچ، اسکرپٹ اور مواد تیار کیا، وہ آہستہ آہستہ ایک مکمل کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔ جب پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا، تو اس کے نتیجے میں تخلیق ہونے والی کتاب کا نام بھی وہی رکھا گیا ''یادوں کا سفر: پاکستان''۔ چونکہ یہ کتاب ریڈیو کے پلیٹ فارم ''آواز ایف ایم'' سے منسلک پروگرام سے جڑی ہوئی تھی، اس لیے اسے محبت سے ''آواز ایف ایم کا بے بی'' بھی کہا جانے لگا۔ اس منفرد کاوش اور پروگرام

کے ادبی و تخلیقی معیار کو سراہتے ہوئے ''آواز ایف ایم'' نے فرح ملک کو ''بیسٹ ریڈیو پریزنٹر'' کے اعزاز سے نوازا، جو ان کے لیے نہ صرف فخر بلکہ ایک اعترافِ قابلیت بھی تھا۔ فرح ملک کی یہ پہلی تصنیف بین الاقوامی سطح پر متعارف کروائی گئی، اور اس کی باقاعدہ لانچنگ کی تقریب اسکاٹ لینڈ کے شہر گلاسگو میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کو بے حد پذیرائی ملی، اور کتاب کی سو کاپیاں وہیں ہال میں ہی فروخت ہوگئیں۔ بعد ازاں، برطانیہ کے مختلف شہروں سے قارئین نے کتاب کی خریداری میں دلچسپی ظاہر کی۔ اسی دوران لندن کی ایک معروف لائبریری نے فرح ملک سے رابطہ کیا اور درخواست کی کہ وہ اپنی یہ کتاب اُنھیں مہیا کریں تاکہ اسے لندن کی دس مختلف شاخوں میں شامل کیا جا سکے۔ یہ فرح ملک کے لیے کسی بین الاقوامی اعزاز سے کم نہ تھا۔ اُنھوں نے خوش دلی سے دس کاپیاں لندن کی ان لائبریریوں کو ارسال کیں، اور یوں ان کی آواز اور تحریر نے مقامی سطح سے نکل کر عالمی دنیا میں ایک قابلِ قدر مقام حاصل کرلیا۔

فرح ملک کا شعری ذوق اُن کی شخصیت کا ایک اہم پہلو رہا، جو دیگر مصروفیات کے باوجود ہمیشہ اُن کے ساتھ جڑا رہا۔ گلاسگو میں قیام کے دوران بھی وہ ادب سے اپنی وابستگی کو قائم رکھے ہوئے تھیں۔ وہاں مقیم اردو ادبی حلقوں میں اُن کی شرکت مستقل بنیادوں پر جاری رہی، اور وہ مختلف مشاعروں میں نہایت شوق اور تواتر سے حصہ لیتی رہیں۔ اُن کی شاعری میں سچائی، تجربے، احساس اور مشاہدے کی وہ جھلک دکھائی دیتی ہے جو سننے والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ گلاسگو کے ادبی ماحول نے جہاں اُنھیں اظہار کی نئی جہتیں عطا کیں، وہیں اُس دور کی کچھ تلخ یادیں بھی اُن کے ذہن میں نقش رہیں۔ خاص طور پر اپنی صحت کی کچھ مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے وہ پُراثر لہجے میں کہتی ہیں کہ

> ''اسی اثنا میں مجھے کینسر کا مرض لاحق ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بیماری کا یہ کٹھن دور جو چند سالوں پر محیط تھا گزر گیا۔''۹؎

فرح ملک ان لوگوں میں سے تھی جو اپنی پہلی جھلک ہی میں دل پر ایک گہرا تاثر چھوڑ جاتی ہیں۔ ان کی موجودگی میں ایک ایسی حرارت اور اپنائیت محسوس ہوتی ہے جو فوری طور پر دل کو چھو لیتی ہے۔ جن سے ملنے کا پہلا لمحہ ہی اُن کی توانائی، خوش مزاجی اور بے ساختہ مسکراہٹ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نعیم فاطمہ علوی جب پہلی بار اُن سے ملیں تو اُن کے باطن کی مضبوطی، تخلیقی جوہر اور زندہ دلی سے بہت متاثر ہوئیں۔ فرح ملک سے ملاقات کا ذکر اپنے مضمون میں کچھ اس طرح کرتی ہیں:

> ''فرح ملک سے میری پہلی ملاقات قیصرہ علوی کے گھر پر ہوئی۔ انھوں نے تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ گلاسکو سے آئی ہیں۔ وہاں کی بہت متحرک شخصیت ہیں۔ شاعرہ بھی

ہیں اور نثر نگار بھی۔ گلاسکو میں ریڈیو میں بھی کام کرتی ہیں۔ میں نے آنکھوں سے جھالر اٹھا کر دیکھا، مجھے فرح ملک کی پارہ طبیعت میں وہ سب کچھ نظر آیا جو ایک اچھی دوست میں ہونا چاہیے تھا۔ بعد میں جب تفصیلی تعارف ہوا تو انھوں نے مجھے بہت ہی سکول سے مسکراتے ہوئے بتایا کہ میں کینسر سروائیور ہوں۔ دل میں محبت، احترام اور حیرت کا جذبہ پیدا ہوا مگر ان کے لب و لہجے اور نشست و برخاست میں کبھی ایسا کچھ نظر نہیں آیا کہ ان کے دل میں افسردگی، مایوسی یا پھر کسی شکستگی کا شائبہ تک بھی ہو۔''۱۰؎

بیماری کے دوران شاعری نے ان کی تنہائیوں کو سہارا دیا، اور خاموشیوں کو زبان دی۔ یوں اُن کی شاعری نہ صرف فن کا اظہار تھی بلکہ ایک داخلی سفر کا بھی آئینہ بنی، جس میں جذبات، چیلنجز اور زندگی کے بدلتے رنگ شعری پیرائے میں ڈھلتے گئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ:

''شاعر اپنی مخصوص بصیرت، اپنے انفرادی شعور، نفسیاتی میلانات، تہذیبی بنیاد اور سماجی اثرات کی بنا پر شاعری میں مخصوص خیال پیش کرتا ہے۔ یہ مخصوص خیال اس کے تخیل اور اس کے گرد و پیش کی دنیا کے ایک دوسرے سے متصادم ہونے یا ایک دوسرے سے وجود میں آتا ہے۔''۱۱؎

فرح ملک کی شاعری بھی اسی تخلیقی کشمکش اور داخلی و خارجی عوامل کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے کینسر جیسے مہلک مرض کے علاج کے دوران بھی نہ صرف ریڈیو پر اپنے ادبی پروگرام جاری رکھے بلکہ بیماری کو کمزوری بننے کے بجائے تخلیقی قوت میں ڈھالا۔ صحت یاب ہونے کے بعد اُن کا پہلا شعری مجموعہ ''اک لمبی جدائی'' اسی جد و جہد اور شعور کا عکاس ہے۔ جب ان کا پاکستان آنا ہوا تو نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد اور اکیڈمی آف لیٹرز کے سربراہان سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان کی کتاب ''یادوں کا سفر پاکستان'' کو ادبی میلہ میں شامل کرلیا گیا۔ فرح ملک کی کتاب کو نہ صرف اسلام آباد کے ادبی میلہ میں شامل کیا گیا بلکہ ان کا نام بھی ''بک ایمبیسیڈر'' کی لسٹ میں شامل کیا گیا۔ جو ان کے لیے بڑے اعزاز کی بات تھی۔ اسی کتاب پر ''پاکستان سکاٹش پریس کلب'' کی طرف سے بھی انھیں ایوارڈ دیا گیا۔

دوسرا شعری مجموعہ ''اجازت تم کو دیتی ہوں'' شائع ہوا۔ اس کتاب کا نام ان کی ایک نظم سے منسلک ہے۔ جو کہ دوران بیماری لکھی گئی۔ کینسر کے علاج کے دوران ایک وقت ایسا آگیا جب کہ جسم میں ریڈ بلڈ سیلز کی بہت نازک حد تک کمی ہوگئی اور خون لگانے کی نوبت آگئی۔ اس وقت انھیں ایسا محسوس ہوا کہ شاید آخری وقت آگیا ہے۔ بلڈ

ٹرانسفیوژن (Blood Transfusion) کے دوران نرس سے پیپر اور پین مانگ کر یہ نظم اپنے جیون ساتھی کے نام لکھی۔ اس شعری مجموعے کی رونمائی ملتان میں ''شہظل خان'' اور ''ارشد عباس ذکی'' نے کروائی۔ دوسری رونمائی اسلام آباد اور تیسری گلاسگو میں ہوئی۔ اس کے بعد ان کا تیسرا شعری مجموعہ شعری مجموعہ کا نام ''نہیں رہیں گے'' منظرِ نام پر آیا۔ اس کتاب کے نام کے متعلق فرح ملک بتاتی ہیں کہ:

> ''نام پہلے ذہن میں آیا اور غزل بعد میں لکھی۔ نام ''زندگی سے فنا تک سفر'' کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے کٹھن بیماری اور اس کے بعد بیماری کے اثرات کو جھیلتے ہوئے یقین مزید پختہ ہو گیا کہ کائنات میں کسی شے کو ثبات نہیں۔ دنیا کی ہر چیز عارضی اور ناپائیدار ہے۔ زندگی سے فنا کا سفر ہر ایک نے طے کرنا ہے اور اپنی آخری منزل تک جانا ہے تو پھر اس سے ڈر کیسا۔ اس سچ کو کبھی جھٹلایا نہیں جا سکتا اور حقیقت کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے تو آخری سفر کی فکر ختم ہو جاتی ہے۔'' ۱۲؎

فرح ملک کی تخلیقی سفر کی چند اور جھلکیاں اُن کی زیرِ اشاعت کتب میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں، جن میں ''حاضری سے پیشی تک''، ''سماع (قوالی)''، ''سچی کہانیاں'' اور ایک نیا شعری مجموعہ شامل ہیں۔ فی الحال، ہمارے مطالعے کا محور ان کا تیسرا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' ہے، جس کا مفصل تعارف آئندہ باب میں پیش کیا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔فرح ملک، انٹرویو، از ملائکہ ظفر، راولپنڈی، ۲۔جون ۲۰۲۵ء

۲۔ایضاً

۳۔ایضاً

۴۔ایضاً

۵۔ایضاً

۶۔فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۲

۷۔فرح ملک، انٹرویو، از ملائکہ ظفر، راولپنڈی، ۲۔جون ۲۰۲۵ء

۸۔ایضاً

۹۔ایضاً

۱۰۔فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۱

۱۱۔عاصمہ وقار(مرتب)، مجموعہ تنقیدات، پروفیسر آل احمد سرور، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۵۰

۱۲۔فرح ملک، انٹرویو، از ملائکہ ظفر، راولپنڈی، ۲۔جون ۲۰۲۵ء

باب دوم
شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' کا تعارف

فرح ملک کی کتاب ''نہیں رہیں گے'' مارچ 2024ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کا سرورق ارشد عباس ذکی نے بنایا۔ جو نہایت دلکش ہے۔ غروب آفتاب کا منظر کتاب کے عنوان کی بخوبی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ ''حسن کمپوزنگ ،گلگشت ملتان'' سے ہوئی ہے۔ پہلی اشاعت میں اس کتاب کی تین سو (300) کاپیاں چھاپی گئیں اور کتاب کی قیمت پاکستانی پندرہ سو (1500) روپے رکھی گئی۔ سکاٹ لینڈ میں قیام پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ فرح ملک کو بین الاقوامی ادبی حلقوں میں بھی ایک معتبر مقام حاصل تھا۔ اس لیے کتاب پر بیرونِ ملک کتاب کی قیمت بھی درج ہے جو کہ دس (10) پاؤنڈ ہے۔ کتاب کو ''شیر ربانی پرنٹنگ پریس، ملتان'' نے پرنٹ کیا اور بائنڈنگ ''غلام مصطفیٰ بک بائنڈنگ، ملتان'' نے کی۔ کتاب کی اشاعت ''سخن سرائے پبلی کیشنز۔ ملتان'' نے کی۔ کتاب پر ISBN نمبر بھی درج ہے۔ فرح ملک کی شاعری ''نہیں رہیں گے'' میں مندرجہ ذیل تین عنوانات کے تحت درج ہے:

شاعری

نظمیں

پنجابی/سرائیکی

کتاب کے حصے ''شاعری'' کے تحت شامل کلام بنیادی طور پر غزل کی ہیئت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس حصے کا آغاز ایک نعت سے ہوتا ہے، جس کا عنوان بھی واضح طور پر درج ہے۔ اس حصے میں کل انتالیس (39) غزلیں شامل ہیں۔ ''نظمیں'' کے عنوان کے تحت چھبیس (26) نظموں کو جگہ دی گئی ہے، جب کہ ''پنجابی/سرائیکی'' کے عنوان سے متعلقہ زبانوں میں چار (4) نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ کتاب کے مرکزی عنوان ''نہیں رہیں گے'' کے تناظر میں شازیہ رباب کی رائے بھی خصوصی اہمیت رکھتی ہے، جو درج ذیل ہے۔

> ''شاید ماضی میں ہونے والی شدید بیماری کے تجربے نے انھیں اندر سے کسی خوف میں مبتلا کر دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ ادراک بھی عطا کیا ہے کہ کائنات میں کسی شے کو ثبات نہیں۔ یہ نام چیخ چیخ کر اعلان کر رہا ہے کہ دنیا کی ہر چیز عارضی اور ناپائیدار ہے۔''[1]

فرح ملک کو جب کینسر جیسے موذی مرض کا سامنا کرنا پڑا، تو انہوں نے زندگی اور موت کے درمیانی لمحوں کو بہت قریب سے محسوس کیا۔ اس کربناک تجربے نے نہ صرف ان کی شخصیت کو متاثر کیا بلکہ ان کے شعری شعور کو بھی ایک نئی گہرائی عطا کی۔ یہی داخلی کیفیت ان کی شاعری میں شدت سے جھلکنے لگی۔ اسی کیفیت میں انہوں نے ایک غزل کہی، جس کی ردیف ''نہیں رہیں گے'' تھی اور یہی ردیف اس قدر معنی خیز اور علامتی ثابت ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب کا عنوان بھی اسی کو بنا دیا۔ اس عنوان سے یاسیت جھلکتی تھی۔ جس پر معروف شاعر ارشد عباس ذکی نے اعتراض بھی کیا۔

مگر فرح ملک نے خاموشی اختیار کی جس کا مطلب تھا کہ کتاب کا عنوان یہی رہے گا۔فرح ملک ''نہیں رہیں گے'' کے عنوان کا قصہ کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

''نہیں رہیں گے'' کتاب کا نام رکھنے کے لیے کوئی زیادہ سوچنا نہیں پڑا۔کیوں کہ زندگی سے فنا کا سفر ہر ایک نے طے کرنا ہے۔ہم سب نے اپنی آخری منزل تک جانا ہے۔تو پھر اس سے ڈر کیسا۔میں نے اگرچہ کینسر جیسی بیماری میں موت کو قریب سے دیکھا لیکن سچ مانیے کوئی گلہ یا خوف کبھی ذہن میں نہیں آیا۔کیوں کہ میرا پختہ ایمان ہے کہ ہم سب نے اپنی آخری منزل تک جانا ہی ہے تو پھر اس سے ڈر کیسا۔اس سچ کو کوئی بھی نہیں جھٹلا سکتا۔اگرچہ ارشد عباس ذکی نے کمپوزنگ سے پہلے کہا بھی کہ اس نام میں یاسیت پائی جاتی ہے۔نام تبدیل کر لیتے ہیں۔لیکن نہ جانے میری خاموشی پر وہ بھی سمجھ گئے کہ حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اس لیے دوبارہ نہیں کہا۔کتاب کا نام ذہن میں پہلے آیا اور غزل بعد میں لکھی۔''۲؎

فرح ملک کی کتاب ''نہیں رہیں گے'' کے آغاز میں مندرجہ ذیل شعر درج ہے:

؎ ہمارا کیا ہے چراغِ خاک گماں ہیں فرحؔ
فلک پہ تارے بھی کہکشاں میں نہیں رہیں گے ۳؎

یہ شعر ''نہیں رہیں گے'' میں موجود تیسری غزل کا مقطع ہے۔اس غزل کی ردیف ''نہیں رہیں گے'' ہے۔جو کہ کتاب کا عنوان بھی ہے۔اس شعر کے بعد ایک اور صفحے پر فرح ملک نے اسی غزل کے دو اشعار کا انتخاب درج کیا ہے۔یہ اشعار کچھ یوں ہیں:

یہ جسم جیون کے آستاں میں نہیں رہیں گے
سو ہم بھی اک دن ترے جہاں میں نہیں رہیں گے
غرور مت کر کہ ایک موسم خزاں کا بھی ہے
یہ گُل ہمیشہ تو گلستاں میں نہیں رہیں گے ۴؎

کتاب کا انتساب ان کی فیملی کے بچوں کے نام ہے جو کہ کچھ اس طرح سے ہے:

''اور حان حمزہ کے نام
جو ہماری فیملی کا بہادر اور منظورِ نظر بچہ ہے۔
علی حسن، عرصم حمزہ اور سالار حسن کے نام

جو فیملی کی رونق ہیں۔''۵؎

دراصل ''نہیں رہیں گے'' کی بنیاد جہاں زندگی کے گہرے تجربات پر ہے، وہیں اس کی روح ان ننھی خوشبوؤں سے مہکی ہے جو فرح ملک کے آس پاس موجود ہیں۔ یہ چند ننھے چراغ ہیں جن کی معصوم روشنی نے دکھ کے اندھیروں میں امید کی کرن بن کر فرح ملک کے دل کو جگمگایا۔ ان کی معصومیت، بہادری اور بے ساختہ خوشیاں ان کے لفظوں میں رواں ہو گئیں، اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنی فیملی کے ننھے ممبران کے نام کی ہے۔ اپنی کتاب کے انتساب کے متعلق وہ لکھتی ہیں:

> ''نہیں رہیں گے'' کا انتساب میں نے اپنی فیملی کے ننھے ممبران کے نام کیا ہے۔ خصوصاً ننھے اورحان حمزہ جس نے ایک سال کی عمر میں اوپن ہارٹ سرجری جیسے کٹھن مرحلے کو بہت بہادری سے سہا اور پوری فیملی کے لیے خوشیاں لے کر آیا۔ علی حسن، عرصم حمزہ اور سالار حسن کے بارے میں کیا کہوں جو اپنے اندر ایک دنیا کو سموئے ہوئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کا کرم ان کے شاملِ حال رہے۔''۶؎

کتاب میں شاعری سے پہلے نعیم فاطمہ علوی اور شازیہ رباب کے تبصرے درج ہیں جو انھوں نے فرح ملک کے اسلوب پر کیے۔ ان تبصروں کے بعد ''چند باتیں'' کے عنوان سے چھوٹا سا پیش لفظ بھی لکھا ہے جس میں انھوں نے کتاب کے عنوان، اسلوب اور انتساب کے متعلق چند باتیں کی ہیں۔ ان ''مضامین و آراء'' کے عنوانات کچھ اس طرح سے ہے:

فرحؔ ملک کی پُرتاثیر شاعری	نعیم فاطمہ علوی
فرحؔ ملک۔ خوش اسلوب شاعری	شازیہ رباب
چند باتیں	فرحؔ ملک

فکری محرکات اور شعری مزاج:

فرح ملک کی کتاب میں آفاقی پیغام، فنا کی بازگشت، اور عمرِ رواں کی ناپائیداری کا نوحہ نمایاں ہے، اُن کے شعری مزاج میں فکری گہرائی، سنجیدگی اور ایک داخلی کرب کی جھلک ملتی ہے۔ ان کا مزاج محض ظاہری جذبات نگاری تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ وجود، وقت، زندگی اور موت جیسے کائناتی سوالات سے مکالمہ کرتی نظر آتی ہیں۔ اس کی شاعری میں ایک ایسا ٹھہراؤ اور حزن آمیز خوبصورتی ہے جو قاری کو محض متاثر نہیں کرتی بلکہ اسے غور و فکر کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ اشعار کی تازگی اور اچھوتا پن اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعرہ نے اپنے خیالات کے اظہار میں تقلید سے

بچنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور تخلیقی انفرادیت کو ترجیح دی ہے۔ یہ مزاج ایک ایسے حساس اور باشعور فنکار کا پتہ دیتا ہے جو نہ صرف اپنے اندر کے کرب کو آواز دیتا ہے بلکہ قاری کے شعور کو بھی جگانے کی کوشش کرتا ہے۔ پروفیسر انور جمال فرح ملک کی اس انفرادیت پر کچھ اس طرح رقم طراز ہوتے ہیں:

> ''اس کی شعری کائنات میں ایسے اچھوتے اشعار بھی ملتے ہیں جو قاری کو کتاب کے ٹائٹل کی طرح یک دم چونکا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''۷؎

نعیم فاطمہ علوی شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ یہ محض فنا کا نوحہ یا زندگی کی ناپائیداری کی بازگشت نہیں، بلکہ اس میں زندگی کو بھرپور انداز سے جینے کی ایک خاموش مگر مؤثر تنبیہ بھی موجود ہے۔ ان کے بقول، یہ عنوان قاری کو نہ صرف موت کی اٹل حقیقت سے روشناس کراتا ہے بلکہ حیاتِ فانی کے لمحوں کو قیمتی جاننے اور سنجیدگی سے برتنے کا پیغام بھی دیتا ہے۔

> ''فرح ملک کی کتاب کا نام ''نہیں رہیں گے'' فنا کی بازگشت تو ہے مگر اس میں کردار کی پختگی کی دلیل کے ساتھ امر ہونے کا ثبوت بھی ہے۔ زندگی گزارنے کی تنبیہہ بھی ہے۔ عمرِ رواں میں زندگی کی ناپائیداری کا نوحہ بھی ہے۔''۸؎

ایک بڑا شاعر آفاقی اور ہمہ گیر پیغام کا پیامبر ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنے فن کے ذریعے محض کسی خاص قوم، زبان یا زمانے کا نمائندہ نہیں ہوتا بلکہ پوری انسانیت کے جذبات، احساسات اور تجربات کا ترجمان بن جاتا ہے۔ اس کی شاعری میں انسان کی داخلی کیفیات، روحانی جستجو، اخلاقی اقدار، سماجی ناہمواریوں کے خلاف احتجاج، اور امن ومحبت کا عالمگیر پیغام موجود ہوتا ہے۔ وہ دکھ، خوشی، ظلم، انصاف، جدائی، وفا اور محبت جیسے موضوعات کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ ہر عہد اور ہر خطے کے لوگ اس میں اپنا عکس پاتے ہیں۔ ایک بڑا شاعر اپنے فکری عمق، زبان کی سادگی یا جدت، اور تخیلاتی وسعت سے قارئین کو نہ صرف متاثر کرتا ہے بلکہ ان کے شعور کو جھنجھوڑتا اور ایک بہتر دنیا کی تمنا پیدا کرتا ہے۔ وہ زمانی اور مکانی حدوں کو عبور کر کے ایک ایسی فضا تخلیق کرتا ہے جہاں انسان صرف انسان بن کر جیتا ہے۔ فرح ملک کی شاعری میں یہ تمام آفاقی عناصر نمایاں طور پر موجود ہیں۔ اس ضمن میں نعیم فاطمہ علوی کی رائے دیکھیے:

> ''شاعر بہت ہی حساس ہوتا ہے اور ایک بڑا آفاقی اور ہمہ گیر پیغام کا پیامبر بھی ہوتا ہے۔ وہ صرف عصرِ حاضر کی بات نہیں کرتا بلکہ گزرے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ آنے والے زمانے کا بھی نبض شناس ہوتا ہے۔ فرح ملک کے ہاں بھی یہ پیغامات جابجا

ملتے ہیں۔''۹؎

فرح ملک کی شاعری محض جذباتی اظہار یا ادبی مشق نہیں، بلکہ ایک فکری پیغام اور آفاقی شعور کی حامل تخلیق ہے۔ ان کے کلام میں زندگی، وقت، اور انسان کے باطنی سفر سے جڑے سوالات گہرے احساس اور سچائی کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ شعری مجموعے ''نہیں رہیں گے'' کے اس تعارفی جائزے کے بعد اب ہم اس کے موضوعاتی جہات کا مفصل مطالعہ کریں گے تاکہ شاعرہ کی فکری ترجیحات اور اظہار کے مضامین کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

حوالہ جات

۱۔فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۷

۲۔ ایضاً، ص ۲۲

۳۔ ایضاً، ص ۲

۴۔ ایضاً، ص ۶

۵۔ ایضاً، ص ۵

۶۔ ایضاً، ص ۲۲

۷۔ ایضاً، پسِ سرورق

۸۔ ایضاً، ص ۱۳

۹۔ ایضاً، ص ۱۳

باب سوم

''نہیں رہیں گے'' کا موضوعاتی جائزہ

انسانی زندگی ایک کثیر الجہت تجربہ ہے۔ انسان کو کبھی محبت، کبھی جدائی، کبھی خواب، کبھی مایوسی، کبھی درد وغم کا سامنا رہتا ہے۔ شاعر چونکہ ایک حساس دل اور گہرا مشاہدہ رکھتا ہے۔ اس لیے وہ ان سب کی کیفیات کو صرف محسوس ہی نہیں کرتا بلکہ بیان بھی کرتا ہے۔ ایک اچھا شاعر اپنے وقت، اپنے ماحول اور اپنے اندر کی دنیا سے جڑے مختلف پہلوؤں کو لفظوں میں ڈھالتا ہے۔ کبھی وہ فطرت کی خوبصورتی پر لکھتا ہے، کبھی سماج کے زخموں کو بیان کرتا ہے، کبھی عشق کی شدت میں ڈوب جاتا ہے، اور کبھی موت، فنا اور وقت کے فلسفے پر سوچتا ہے۔ فرح ملک کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ''نہیں رہیں گے'' کی شاعری ایک ہی دھن پر نہیں چلتی بلکہ اس میں جذبات، احساسات، خیالات اور مشاہدات کی رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ فرح ملک کے ہاں مختلف موضوعات کے اظہار سے متعلق نعیم فاطمہ علوی کی رائے دیکھیے:

> ''بیٹوں کی نصیحت کی بات ہو، بیٹی کے احساسات کی بات ہو، ماں کی یادوں میں بھیگی ہوئی رات ہو یا محبوب کی یاد میں سلگتا چراغ ہو، زمانے کے نشیب و فراز ہوں یا ہجر و وصال کی داستان ہو، ماضی کے دھندلکوں سے جھلکتی کہانیاں ہوں یا رویوں کے چبھتے کانٹے، انھیں ان سب کو بیان کرنے یکساں قدرت حاصل ہے۔''۱؎

فرح ملک کی غزلیہ شاعری زندگی کے متنوع تجربات کی آئینہ دار ہے۔ ان کے کلام میں انسانی جذبات کی لطیف پرتیں، داخلی کشمکش، امید و ناامیدی، وصل و ہجر، اور سماجی اضطراب کی عکاسی ملتی ہے۔ یہ شاعری کسی ایک جذباتی کیفیت یا فکری سانچے میں مقید نہیں، بلکہ لمحہ بہ لمحہ بدلتے انسانی مزاج اور داخلی وارداتوں کا عکس پیش کرتی ہے۔ اس تناظر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ:

> ''داخلی شاعری کی بہترین مثال غزل ہے جو شاعر کی دروں بینی کا نتیجہ ہوتی ہے''۲؎

موضوعات کی وسعت اور تاثراتی تنوع فرح ملک کی شاعری کو انفرادیت بخشتے ہیں۔ ان کے ہاں نہ صرف داخلی جذبات کی سچی ترجمانی ملتی ہے بلکہ خارجی دنیا کے تضادات اور سماجی ناہمواریوں کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ وہ کسی ایک جذبے، لہجے یا تجربے تک محدود نہیں رہتیں بلکہ ان کی شاعری میں انسانی زندگی کی تمام کیفیات رواں دواں محسوس ہوتی ہیں۔ یہی فکری تنوع اور جذباتی گہرائی ان کے اسلوب کو مخصوص بناتے ہیں۔ اس رنگارنگی اور جہتوں کی آمیزش کے حوالے سے شازیہ رباب کی رائے نہایت بصیرت افروز اور بامعنی ہے:

> ''ان کی سوچ کی حساسیت شاعری کو انوکھی پہچان عطا کرتی ہے۔ ان کی شاعری کے خواب و خیال کی لہریں کہیں خاموشی اور کہیں گونج میں بدلتی دکھائی دیتی ہیں۔ کہیں امید

کے چراغ روشن کرتی ہیں، کہیں وصل کی بارش میں بھگوتی ہیں، کہیں ہجر کے اخگر میں بدلتی ہیں، کہیں جینے کا سلیقہ عطا کرتی ہیں تو کہیں کہیں دنیاوی رویوں پر پریشانی اور مایوسی میں ڈھل جاتی ہیں۔''۳؎

حبِ رسول ﷺ:

ایک سچے مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ مدینہ جانا اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دینا اس محبت کا عملی اظہار ہے۔ یہ احساس کہ ''میں اس شہر میں ہوں جہاں میرے نبی ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔ ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص میری قبر پر آ کر مجھ پر درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ میں جواب دوں۔'' (سنن ابی داود)

اس فضیلت کی بنا پر ہر مسلمان یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ براہِ راست روضۂ رسول ﷺ پر سلام پیش کرے۔ فرح ملک کے دل میں بھی رسول پاک ﷺ کی محبت کا ایسا دریا ہے جس کی موجیں ہر وقت اس کے قلم کو تر رکھتی ہیں۔ وہ جب بھی کوئی لفظ لکھتی ہیں اس کی سیاہی میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو بسی ہوتی ہے اور وہ سمجھتی ہیں کہ اگر ان کے الفاظ میں مصطفیٰ ﷺ کی مدح کا رنگ نہ ہو، تو اس کا فن ادھورا ہے، اس کی شاعری بے معنی ہے۔ ''نہیں رہیں گے'' کی شاعری کا آغاز ''نعت رسولِ مقبول'' سے ہونا ان کے دل میں موجود عشقِ رسول ﷺ کی عکاسی کرتا ہے۔ ''نہیں رہیں گے'' میں شامل نعت کا مطلع ملاحظہ ہو:

؎ مدینے والے کو سب کچھ بتانے جانا ہے
جو حالِ دل ہے انھی کو سنانے جانا ہے ۴؎

نعت کی ردیف ''جانا ہے'' صرف ایک لفظی ساخت نہیں بلکہ ایک گہری روحانی کیفیت، نیت اور تمنا کی عکاسی کرتی ہے۔ فرح ملک کو دل و جان سے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا اشتیاق ہے۔ یہ ایک عاشقِ رسول ﷺ کی مستقل تمنا ہے جو ہر لمحہ اس کے دل میں جاگتی رہتی ہے۔ وہ اپنی ساری پریشانیاں، دکھ، خوشیاں، امیدیں اور دعائیں لے کر اس ذاتِ مقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینا چاہتی ہیں جو سب سے زیادہ شفیق، مہربان اور رب کے مقرب ترین ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ وہاں جا کر کی گئی دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں۔ درِ مصطفیٰ ﷺ وہ در ہے جہاں مایوسی کا گزر نہیں، اور امیدیں چراغ بن کر جلتی ہیں۔ جہاں غلام آتے ہیں ٹوٹے ہوئے دل لے کر، اور لوٹتے

ہیں امیدوں سے لبریز ہوکر۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نہ صرف دنیا کی مرادیں ملتی ہیں، بلکہ آخرت کی بخشش کا سامان بھی عطا ہوتا ہے۔نعت کا ایک اور شعر دیکھئے:

جہاں سے کوئی بھی خالی نہیں لوٹا
خطائیں اپنی مجھے بخشوانے جانا ہے ۵

وطن سے محبت:

وطن سے محبت ہر فرد کے دل کی گہرائیوں میں بسنے والا جذبہ ہے، جو وقت اور حالات کے ساتھ مزید مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اردو ادب میں جہاں شاعروں نے اس جذبے کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، وہیں شاعرات نے بھی اپنے احساسات کو بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔ فرح ملک کی شاعری میں بھی وطن کی محبت، اس کی مٹی کی خوشبو، اور قربانی کا جذبہ واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ ان کے اشعار میں نہ صرف وطن کے لیے والہانہ عقیدت نظر آتی ہے بلکہ ایک حساس دل کی آواز بھی سنائی دیتی ہے جو اپنے ملک کی ترقی، سلامتی اور عزت کے لیے ہمہ وقت دعا گو ہے۔

روضۂ رسول ﷺ پر حاضری ہر مسلمان کے لیے روحانی کمال اور سعادت کی انتہا سمجھی جاتی ہے، جہاں دل عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوتا ہے اور آنکھیں عقیدت سے نم ہوتی ہیں۔ ایسے پُرنور مقام پر بھی اگر کوئی شاعر اپنے وطن کی سلامتی، امن اور ترقی کے لیے دعا مانگنے کا خواہشمند ہو، تو یہ اس کی حب الوطنی کی معراج ہے۔ یہ جذبہ اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا دل ایمان سے لبریز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کے لیے بھی دھڑکتا ہے۔ ایسی کیفیت میں اس کی دعا محض الفاظ نہیں بلکہ ایک سچے محبِ وطن کی صدائے دل ہوتی ہے، جو روضۂ رسول ﷺ کی پاک فضا میں وطن کی خیر مانگتی ہے۔ فرح ملک کے دل میں بھی عشقِ رسول ﷺ اور وطن کی محبت ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر ایک مکمل مسلمان اور محب وطن فرد کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ انھیں احساس ہے کہ ان کا وطن محفوظ ہاتھوں میں نہیں رہا۔ خودغرضی، کرپشن، اور ذاتی مفادات نے اسے تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اب اس کا اصل حسن، امن اور عزت خطرے میں پڑ چکی ہے۔ وہ اپنی بے بسی، مایوسی اور وطن کی بگڑتی حالت کو لے کر درِ رسول ﷺ پر فریاد لے کر جانا چاہتی ہیں۔ وہ امید رکھتی ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ کے حضور آہ و زاری کی جائے تو شاید ان کی شفاعت اور دعا سے اس وطن کی حالت بدل جائے، اور اسے دوبارہ امن، عدل اور محبت کا گہوارہ بنایا جا سکے۔ ان کی نعت کا شعر دیکھئے۔

گھرا ہوا ہے وطن آج؟ لٹیروں میں
اسی کے واسطے اُن کو منانے جانا ہے ٦

یہ شعر دراصل وطن کے زوال پر ایک فکری نوحہ بھی ہے اور عشقِ رسول ﷺ میں لپٹی ہوئی ایک التجا بھی، جس میں شاعر دنیاوی دروں سے مایوس ہو کر درِ مصطفی ﷺ پر امید باندھتا ہے۔

فرحؔ ملک کی شاعری میں وطن سے محبت، دردِ دل اور اصلاحِ معاشرہ کا گہرا عکس ملتا ہے۔ ان کے کلام میں محض جذباتی وابستگی نہیں بلکہ ایک باشعور شہری کا اضطراب، احساسِ ذمہ داری اور قوم کی حالتِ زار پر پکار بھی سنائی دیتی ہے۔ وہ نہ صرف وطن کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت پر دکھ کا اظہار کرتی ہیں بلکہ اصلاح اور بیداری کی ترغیب بھی دیتی ہیں۔ ان کی شاعری میں قوم پرستی، ظلم کے خلاف آواز، اور نفرت اور تفرقے سے بچنے کی تلقین پائی جاتی ہے، جو قاری کو نہ صرف جذباتی طور پر جھنجھوڑتی ہے بلکہ عملی طور پر کچھ کرنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ یوں فرحؔ کی شاعری حب الوطنی کا ایک بامقصد، با احساس اور مثبت پیغام لیے ہوئے نظر آتی ہے۔ حوالے کے اشعار دیکھیے:

؎ سلگ رہی ہے یہ پاک بستی اے میرے مالک
کہ مٹ گئی ہے بشر کی ہستی اے میرے مالک ۷ ؎

؎ کیے فرحؔ نے وظیفے ڈھیروں وطن کی خاطر
کرم کی بارش نہیں برستی اے میرے مالک ۸ ؎

؎ عجب ظلم کی آفتیں آ پڑی ہیں
یہی اک گلہ ہے حکومت سے تیری ۹ ؎

؎ گلشن میں ہر سُو خار اُگاتے ہوئے ڈرو
نفرت کی آگ یوں ہی جلاتے ہوئے ڈرو ۱۰ ؎

؎ گر ہو وطن پرست تو اپنے وطن کے تم
دشمن سے اپنا ہاتھ ملاتے ہوئے ڈرو ۱۱ ؎

ہجر و وصال اور دعا:

اردو شاعری محض جذبات کا اظہار نہیں بلکہ ایک فکری اور جمالیاتی تجربہ بھی ہے جو انسانی احساسات، معاشرتی رویّوں اور روحانی کیفیتوں کو بیک وقت سمو لیتا ہے۔ جب کوئی شاعر اپنے عہد کی ترجمانی کرتے ہوئے

حساس موضوعات کو تخلیقی پیرایہ عطا کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنے اندرونی کرب کا بیان ہوتا ہے بلکہ اجتماعی شعور کا آئینہ بھی بن جاتا ہے۔ ہجر و وصال کے تجربات، حسن کے جلوے، دعا کی تاثیر، اور معاشرتی ناہمواریوں پر خاموش مگر گہری آواز بلند کرنا ایک سنجیدہ اور بیدار شاعر کی پہچان ہوتے ہیں۔ فرح ملک کی شاعری ان تمام موضوعات کو نہایت مہارت اور سچائی کے ساتھ سمیٹتی ہے، جہاں ہر شعر ایک خیال، ایک احساس، اور ایک مکمل منظر کی صورت سامنے آتا ہے۔ اس ضمن میں شازیہ رباب کی رائے دیکھیے:

> ''فرح ملک صاحبہ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ خاموش لمحوں میں ایسی فکری صدا بلند کرتی ہیں کہ یہ جھنکار کی صورت ہمارے ذہن و دل پر دستک دیتی ہے۔ وہ اپنے عہد کی ترجمانی کرتے ہوئے کبھی نہایت حساس موضوعات پر قلم اٹھاتی ہیں تو کبھی ہجر، وصل، حسن اور دعا کو شعری پیراہن عطا کرتی ہیں۔'' ۱۲؎

فرح ملک کی شاعری میں دعائیہ انداز محض رسمی التجا نہیں بلکہ ایک جذباتی اور روحانی وابستگی کا اظہار ہے۔ ان کے اشعار میں دعا، التجا، اور خیر خواہی ایک گہرے انسانی تجربے کا حصہ بن کر سامنے آتے ہیں خواہ وہ محبوب کے لیے ہو، رخصت ہونے والے کے لیے، یا کسی کھوئی ہوئی ہستی کی یاد میں۔ وہ اپنے جذبے کو الفاظ کی سطح پر نہیں روکتیں، بلکہ دعا کی صورت میں اسے ایک بلند تر احساس میں ڈھال دیتی ہیں، جو کہیں خلوص کی علامت بنتی ہے اور کہیں دل شکستگی کی۔ ذیل کے اشعار اسی دعائیہ طرزِ احساس کے بھرپور نمائندہ ہیں۔

؎ کیسے ڈھونڈوں انھیں پر بتوں میں فرح
وہ میری مانگی ہوئی اک دعا ہو گئے ۱۳؎

؎ ترے آباد رہنے کی دعا دل سے نکلتی ہے
عدو کے پاس جانا تھا تو یاں دل کو لگایا کیوں ۱۴؎

؎ بن کے مسیحا کیسی دوا دے گیا مجھے
وہ شخص جانے کیسی دعا دے گیا مجھے ۱۵؎

فرح ملک کی شاعری میں دعائیہ رنگ صرف انفرادی جذبات یا ذاتی درد تک محدود نہیں، بلکہ وہ قومی سطح پر بھی اپنے خلوص اور فکری وابستگی کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کی ایک مخصوص غزل، جس کی ردیف ''اے میرے مالک'' ہے، وطن کے لیے ایک دردمند دعا کا روپ دھارتی ہے۔ اس غزل میں شاعرہ نے اپنی روح کی گہرائیوں سے وطن کی

بربادی، معاشرتی زوال اور انسانیت کی مٹتی ہوئی اقدار پر نوحہ کرتے ہوئے ربِ کائنات کے حضور عجز و نیاز کے ساتھ التجا کی ہے۔ یہ اشعار نہ صرف ان کی حب الوطنی کی علامت ہیں بلکہ ان کے روحانی اور اخلاقی شعور کی بھی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

سلگ رہی ہے یہ پاک بستی اے میرے مالک
کہ مٹ گئی ہے بشر کی ہستی اے میرے مالک ۱۶

کئے فرحؔ نے وظیفے ڈھیروں وطن کی خاطر
کرم کی بارش نہیں برستی اے میرے مالک ۱۷

فرحؔ کی شاعری میں ہجر ایک مرکزی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے، جو نہ صرف ذاتی دکھ اور جدائی کے کرب کو بیان کرتا ہے بلکہ انسانی احساسات کی پیچیدگیوں کو بھی اُجاگر کرتا ہے۔ ان کے اشعار میں ہجر صرف فراقِ محبوب تک محدود نہیں، بلکہ وہ ایک مکمل داخلی کیفیت، وقت کے بے مصرف گزرنے اور یادوں کی بے قراری کو محسوس کرتی ہیں۔ انتظار، ٹوٹے وعدے، تنہائی کی گونج اور زندگی کے بکھرے لمحے فرحؔ کے کلام میں اس طرح سے سمٹ آتے ہیں کہ قاری خود کو اس کرب کا شریک محسوس کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں ہجر ایک گہرا جمالیاتی اور جذباتی تجربہ بن کر سامنے آتا ہے جو انسانی دل کی نرمی، ٹوٹ پھوٹ اور خاموش تڑپ کو نمایاں کرتا ہے۔ اشعار دیکھئے:

ترے آنے کی منتظر تو رہی ہوں
مرا راہ تکنا نہیں کام آیا ۱۸

ہم بیٹھے تھے تنہائی میں آباد تھی دنیا یادوں کی
تُو کیوں بدلا معلوم نہیں کیوں وعدے سب بیکار گئے ۱۹

اس کے بغیر سالوں پہ پھیلی تھی یہ فرحؔ
میں نے ہزار رنج اُٹھائے تمام شب ۲۰

فرحؔ ملک کی شاعری میں تنہائی محض ایک ذاتی کیفیت نہیں بلکہ ایک گہرا تخلیقی تجربہ ہے، جو ان کے کلام میں بارہا مختلف علامتوں، استعاروں اور جذباتی کیفیات کی صورت میں ابھرتا ہے۔ ان کے اشعار میں تنہائی نہ صرف ایک محبوب کے فقدان کا دکھ ہے بلکہ ایک روحانی خلا، جذباتی کرب اور عدمِ ہم آہنگی کا علامتی اظہار بھی ہے۔ وہ تنہائی

کو کبھی خالی کتاب سے تشبیہ دیتی ہیں، کبھی یادوں میں پگھلتی شام سے، اور کبھی خاموش رات کے ستاروں کو ہمراز بنا کر اس کے کرب کو لفظوں میں ڈھالتی ہیں۔ درج ذیل اشعار اسی داخلی تنہائی کے احساس کی تخلیقی تصویریں ہیں جو قاری کو اندر تک محسوس ہوتی ہیں۔

دل کی حالت کا کیا کہوں تم سے
جیسے خالی کتاب ہو ہمدم ۲۱؎

شام تو ہے دسمبر سے لپٹی ہوئی
میں تری یاد میں کیوں پگھلنے لگی ۲۲؎

تو جو نہیں تھا کس کو سناتی میں حالِ دل
تاروں کو اپنے شعر سنائے تمام شب ۲۳؎

جہاں پر تو نے چھوڑا ہاتھ میرا
تری خاطر ابھی تک میں وہیں ہوں ۲۴؎

سماجی رویوں پر سوالات:

فرح ملک کی شاعری صرف جذباتی یا روایتی نہیں بلکہ فکری ترقی اور ذہنی پختگی کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں وقت کے ساتھ ساتھ سوچ اور شعور کی گہرائی محسوس ہوتی ہے۔ وہ محض مشاہدے تک محدود نہیں رہتیں بلکہ اپنے خیالات کو ایک فکری زاویہ فراہم کرتی ہیں، جو معاشرتی اور ذاتی زندگی کے معاملات کو کسی خاص نظریے سے پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ سماج کے رویّوں اور تضادات پر بھی تنقیدی نظر ڈالتی ہیں۔ ان کی شاعری میں سوالات اٹھتے ہیں جو قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کے اشعار اتنے اثر انگیز اور غیر معمولی ہیں کہ قاری پر سحر طاری کر دیتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعرہ کے پاس الفاظ کو جذبے، خیال اور حسن کے ساتھ برتنے کا فطری ہنر موجود ہے۔ فرح ملک کی اس خداداد صلاحیت کے اعتراف میں شازیہ رباب کی رائے دیکھئے:

> ''ان کی شاعری میں فکری اور ذہنی ارتقاء کے ساتھ نظریاتی شعور موجود ہے جو ذات کے ساتھ سماج کے رویوں پر سوالات اٹھاتا ہے۔ ان کے کچھ اشعار کرشماتی لگتے ہیں اور واضح محسوس ہوتا ہے کہ یہ عطا ہے جسے انھوں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔'' ۲۵؎

فرح ملک کے اشعار سماجی رویوں پر سوالیہ انداز کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف فرد کے باطن کی کشمکش کو بیان کرتی ہیں بلکہ معاشرتی تضادات، ریاکاری، بے حسی، اور جذباتی استحصال جیسے مسائل پر بھی سوال اٹھاتی ہیں۔ فرح ملک کا اسلوب سوالیہ ہے جو قاری کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کیا واقعی ہم ایک صحت مند، سچائی پر مبنی اور خلوص پر قائم معاشرے کا حصہ ہیں؟ وہ منافقت، بے وفائی، جذباتی لاپروائی، اور نفرت جیسے منفی رویوں کو نمایاں کرتی ہیں اور ان پر چبھتے ہوئے سوالات کرتی ہیں۔ ان کی شاعری محض جذباتی اظہار نہیں بلکہ ایک فکری مکالمہ ہے، جو سماج کے مجموعی رویے پر ایک بیدار مغز تنقید ہے۔ حوالے کے اشعار دیکھئے:

؎ تو گرنے لگا تو فرح نے سنبھالا
ترے سامنے تیرا انجام آیا ۲۶؎

؎ جیون ایک سوال ہے الجھا
حل تم کیسے یار کرو گے ۲۷؎

؎ منہ کی کھانی پڑ جائے گی
جب بھی مجھ پر وار کرو گے ۲۸؎

؎ میں نے سچ کا ساتھ دیا ہے جیون میں
مجھ سے کیوں تکرار منافق لوگ کریں ۲۹؎

؎ بن کے مسیحا کیسی دوا دے گیا مجھے
وہ شخص جانے کیسی دعا دے گیا مجھے ۳۰؎

؎ شہرِ نفرت میں مجھے چھوڑ کے جاتے ہو کہاں
یوں نہیں کرتے کبھی پیار سکھانے والے ۳۱؎

؎ میری تو خیر جیسے گزری گزار دی ہے
مجھ سے بچھڑ کے تیرے کب دن سنور گئے ہیں ۳۲؎

رنجش نہیں ہے کوئی تو کیوں بولتے نہیں
نفرت سے اختلاف کا حل ڈھونڈتے نہیں ۳۳

دردوغم:

فرحؔ ملک کی شاعری میں دردوغم ایک مستقل اور گہرے جذبے کے طور پر ابھرتا ہے، جو محض ذاتی کرب کا اظہار نہیں بلکہ انسان دوستی، ہمدردی اور اجتماعی حساسیت کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ ان کے اشعار میں دکھ صرف انفرادی تجربہ نہیں رہتا بلکہ معاشرتی تکلیفوں، انسانی ناانصافیوں اور جذباتی ناہمواریوں کا استعارہ بن جاتا ہے۔ فرحؔ اپنے اردگرد کی دنیا سے کٹی ہوئی نہیں بلکہ اس کے دکھوں کو شدت سے محسوس کرنے والی شاعرہ ہیں، جن کے ہاں درد ایک تخلیقی اور فکری قوت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری قاری کے دل میں اترتی ہے اور ایک گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ اس حوالے سے شازیہ رباب کی رائے دیکھئے:

''وہ اچھی شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نرم دل خاتون ہیں جو کسی کے بھی دکھ درد کو اپنی روح میں اترتا محسوس کرتی ہیں۔'' ۳۴

یقیناً، فرح ملک کی شاعری میں دردوغم کی کیفیت نہایت دل سوز انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ان کے اشعار میں بچھڑنے کا کرب، تعلقات کا ٹوٹنا، اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا عکس اس مہارت سے پیش کیا گیا ہے کہ قاری نہ صرف الفاظ کو پڑھتا ہے بلکہ انہیں محسوس بھی کرتا ہے۔ فرحؔ کی شاعری محض جذبات کی عکاسی نہیں بلکہ ایک گہری نفسیاتی سچائی کو بھی بیان کرتی ہے جو انسانی رشتوں اور ان کی ناپائیداری کو آشکار کرتی ہے۔ ذیل میں پیش کیے گئے اشعار اسی داخلی کرب اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کی پُراثر تصویر ہیں۔

جن سے گہرا تعلق تھا اپنا کبھی
مڑ کے آئے نہ وہ اک صدا ہو گئے ۳۵

ہم کو سمیٹنا بھی چاہے اگر فرحؔ وہ
مشکل ہے اب قسم سے اتنا بکھر گئے ہیں ۳۶

رجائیت:

فرح ملک کی شاعری زندگی کی الجھنوں، دکھوں اور تلخیوں کے باوجود ایک روشن زاویہ فکر پیش کرتی ہے۔ وہ اپنے اشعار کے ذریعے قاری کو مایوسی، بے یقینی اور تاریکی سے نکال کر امید، اعتماد اور روشنی کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان کے ہاں زندگی کو صرف مسائل کے مجموعے کے طور پر نہیں دیکھا گیا، بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ہر دکھ کے ساتھ سکھ کی ایک کرن چھپی ہوتی ہے۔ ان کی شاعری میں یہ رجحان واضح نظر آتا ہے کہ انسان کو اپنی سوچ، اپنے رویے اور طرزِ فکر کے ذریعے حالات کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ فرح ملک کی شاعری میں یہ خیال نمایاں طور پر اُبھرتا ہے کہ دنیا کی اصل خوبصورتی انسان کے وجود اور اس کی مثبت سوچ سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ زندگی کو امید، یقین اور تعمیر کے زاویے سے دیکھنے کا پیغام دیتی ہیں۔ یہی مثبت طرزِ فکر اور روشن پہلو کو دیکھنے کا رویہ دراصل ''رجائیت'' کہلاتا ہے۔ ابوالاعجاز صدیقی رجائیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''اشیاء و واقعات کا روشن پہلو دیکھنا اور مستقبل کے بارے میں پُرامید نقطہ نظر رکھنا رجائیت کہلاتا ہے۔'' ۳۷

فرح ملک کے نزدیک زندگی محض گزارنے کی چیز نہیں، بلکہ اسے بھرپور طریقے سے جینا چاہیے۔ وہ قاری کو یہ سبق دیتی ہیں کہ مایوسیوں اور مشکلات کو خود پر حاوی نہ ہونے دیا جائے۔ زندگی میں کٹھن لمحے آئیں تو بھی امید کا دامن تھامے رکھنا چاہیے، کیونکہ روشنی کی ایک کرن بھی مکمل تاریکی کو شکست دے سکتی ہے۔ فرح ملک کی شاعری میں شدید ترین حبس، گھٹن اور اندھیروں کے بیچ بھی امید، حوصلے اور عزم کی جھلک ملتی ہے۔ یہی رجائیت پسندی ان کے شعری مزاج کی اصل شناخت ہے، جو قاری کے دل میں جینے کا نیا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ اس ضمن میں شازیہ رباب کی رائے دیکھیے:

> ''فرح اپنی شاعری میں بار بار باور کرواتی ہیں کہ دنیا کا حسن ہم سے ہے اور ہمیں اپنی زندگی گزارنی نہیں بلکہ جینی چاہیے۔ کسی بھی مایوسی کو اپنے ذہن و دل پر سوار کر کے زندگی سے رخ نہیں موڑنا چاہیے۔ وہ شدید ترین حبس میں بھی امید کا دامن نہیں چھوڑتیں اور یہی پیغام وہ اپنے قاری کو بھی دیتی ہیں۔'' ۳۸

فرح ملک کی شاعری جہاں غم، جدائی اور سوز و گداز کے رنگ لیے ہوتی ہے، وہیں امید کی کرن بھی اس کے شعری افق پر روشن دکھائی دیتی ہے۔ اُن کے اشعار میں نا اُمیدی کے اندھیروں کے بیچ امید کی روشنی ایک ایسے چراغ کی مانند ہے جو قاری کے دل میں حوصلہ اور یقین جگاتی ہے۔ فرحؔ زندگی کے کٹھن راستوں، دکھوں اور محرومیوں

کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ بہتر مستقبل کی آس اور بہتری کی تمنا کو بھی خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں۔ ان کی شاعری ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اگرچہ زندگی دکھوں سے خالی نہیں، مگر اُمید کا دامن تھام کر جیا جا سکتا ہے۔ اشعار دیکھیے:

جو دیکھتے ہی مرے چمن پر گھٹائیں کھل کر برس رہی ہیں
کرم کی بارش برس رہی ہے ابھی دعاؤں کی ابتدا ہے ۳۹؎

جیون ایک ہی بار ملے ہے لیکن یہ نہ سمجھ سکے سب
غرض کے زہر کو پی کر آخر مرنے والے سارے لوگ ۴۰؎

بہت امید ہے اک دن مجھے تسلیم کر لو گے
زمیں کو آسماں کرنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے ۴۱؎

میں لکھ لیتی دنیا کے سارے سکھوں کو
غموں کا کوئی پل بھی اس میں نہ ہوتا ۴۲؎

آؤ گے اچانک ہی خود دل کو دلاسہ دوں
اس اجڑے ہوئے دل کو ہم آس دلا بیٹھے ۴۳؎

عشق ومحبت:

اردو غزل کا دامن موضوعات کے اعتبار سے بے حد وسیع ہے، مگر اس میں سب سے نمایاں اور دل کے قریب موضوع عشق کا ہے۔ عشق صرف ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر اور ہمہ جہت تجربہ ہے جو انسان کی داخلی دنیا کو جھنجھوڑ دیتا ہے۔ اس کی شدت، اس کا درد، اس کی مسرت اور اس کی پیچیدگیاں شاعر کے احساسات کو گہرائی عطا کرتی ہیں۔ اردو شاعری میں عشق محض ذاتی تجربہ نہیں رہتا بلکہ وہ ایک فکری، تہذیبی اور روحانی استعارہ بن جاتا ہے، جس کے ذریعے شاعر زندگی، سماج اور کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے عشقیہ مضامین کو اردو غزل میں ایک بنیادی اور مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''زندگی کے مرکزی اور اہم حقائق غزل کا موضوع ہوتے ہیں۔ ان حقائق میں وارداتِ
عشق کو اولیت حاصل ہے کیوں کہ انسانی تہذیب کے ارتقاء میں جنسیت اور اس سے

پیدا ہونے والی کیفیتوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔''۴۴؎

فرح ملک کی شاعری میں یہ جذبہ نہایت شدت اور سچائی کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔عشق ومحبت کے موضوعات پر فرح ملک کی شاعری کے حوالے سے پروفیسر انور جمال کچھ یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''فرح کے ہاں محبت کے موضوعات میں بھی Conflicts کی بجائے حقیقت کو تسلیم کرنے کا واضح نقطۂ نظر دکھائی دیا ہے۔''۴۵؎

ان کے اشعار عشق کی بے خودی، قربانی، راز داری اور جذباتی رنگینی کو ایسی دلنشین کیفیت میں پیش کرتے ہیں جو قاری کو براہ راست دل سے چھو لیتے ہیں۔ذیل میں عشق ومحبت کے حوالے سے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں جو فرح ملک کی فکری گہرائی اور جذبۂ عشق کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔

؎ عشق کو جب سلام کر بیٹھے
عمر ہی اس کے نام کر بیٹھے ۴۶؎

؎ یہ ٹوٹا دل کب جڑتا ہے ہم کو معلوم بھی تھا لیکن
پھر بھی اس دل کی خاطر ہم دنیا کے بازار گئے ۴۷؎

؎ وہی جس کے لیے دل میں ہوا ہے حشر سا برپا
اسی کو راز داں کرنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے ۴۸؎

؎ اک دید تمھاری کے جو ٹھہرے تھے طالب ہم
بس قوس و قزح کے ہم سب رنگ سجا بیٹھے ۴۹؎

فرح ملک کے نزدیک محبت ایک آزاد اور باہمی جذبہ ہے۔وہ نہ تو یک طرفہ محبت کو سچی محبت مانتی ہیں اور نہ ہی زبردستی کے رشتے کو محبت کا نام دیتی ہیں۔ان کے نزدیک محبت تبھی معتبر ہے جب وہ دل کی رضا اور باہمی احساس پر مبنی ہو۔اشعار دیکھیے:

؎ اس پیار کو تو جبر کی تصویر مت بنا
جو جا رہا ہو اس کو کبھی روکتے نہیں ۵۰؎

؎دل ہم نے دیا تجھ کو تو لینا بھی ہے تجھ سے
یہ بات نہ کرتے تو رقابت بھی نہ ہوتی ۵۱؎

سوز و گداز:

سوز و گداز وہ کیفیت ہے جب دل کی گہرائیوں میں ایک بے تابی، ایک جلتا ہوا درد اُبھر آتا ہے۔ یہ وہ حالت ہے جس میں انسان کو محبت، غم، اور شدت ایک ساتھ جھلسا رہے ہوں اور جس کے نتیجے میں دل میں ایک بے تابی سی جگہ بنا لے۔ شازیہ رباب فرح کے ہاں سوز و گداز کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''سوز و گداز جو کہ شاعری کا اہم جزو ہے، ان کے ہر شعر میں محسوس ہوتا ہے۔ رشتوں کو کھو دینے کا دکھ، بھروسہ ٹوٹنے کا درد، خواب کرچی کرچی ہونے کی چبھن، تنہائی کی جلن، ادھوری اور بے نام کہانیوں اور جدائی کے داغوں کو جب وہ شعری پیراہن عطا کرتی ہیں تو ہر شعر قاری کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔'' ۵۲؎

فرح ملک کی شاعری میں سوز و گداز کی کیفیت ایک نمایاں پہلو کے طور پر ابھرتی ہے۔ ان کے اشعار جذبات کی شدت، درد کی گہرائی اور جدائی کے کرب کو نہایت سلیقے سے بیان کرتے ہیں۔ چاہے وہ محبت کی تکلیف ہو، بچھڑنے کا دکھ، یا بیتے دنوں کی یادوں کا بوجھ۔ ان کا ہر مصرعہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر قاری کے احساسات کو چھو لیتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار نہ صرف ان کے جذبات کی شدت کو بیان کرتے ہیں بلکہ ایک داخلی کرب کو بھی آشکار کرتے ہیں، جو فرحؔ کی شاعری کو نہایت پُر اثر اور دلگداز بنا دیتا ہے۔ اشعار دیکھیے:

؎محبت کر تو لی لیکن بہت مشکل سفر ہے یہ
مجھے یہ آگ سینے کی بجھانی ہی نہیں آتی ۵۳؎

؎بہادر تھی مگر تیرے بچھڑنے پر
فرحؔ بے حد میں گھبرائی تو دل دھڑکا ۵۴؎

؎وہ در سے خالی ہاتھ چلا تو گیا مگر
جو کم نہ ہو سکی وہ سزا دے گیا مجھے ۵۵؎

؎گزرے دنوں کی یاد ستائے تمام شب
تم کیا گئے ہو کہ نیند نہ آئے تمام شب ۵۶؎

احساسِ فنا:

یہ دنیا ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی۔ ہر چیز بدلتی رہتی ہے، کبھی خوشی ہوتی ہے تو کبھی غم، کبھی کامیابی تو کبھی ناکامی۔ ہم جو کچھ آج محسوس کرتے ہیں، وہ کل مختلف ہو سکتا ہے۔ گزرا وقت کبھی واپس نہیں آتا اور وقت کے ساتھ ہر چیز اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ فرح ملک کو جب اس بات کا احساس ہوتا ہے تو ایک انجانے خوف میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت پر شازیہ رباب کی فرح ملک سے متعلق رائے دیکھیے:

> ''زندگی کی ناپائیداری اور ہجر کی حقیقت کو وہ روح میں اترتا محسوس کرتی ہیں اور کہیں کہیں ان کا ادراک و آگہی انھیں خوف میں مبتلا کر دیتا ہے جس کا وہ برملا اظہار بھی کرتی ہیں۔'' ۵۷؎

فرحؔ ملک کی شاعری میں جہاں حقیقت پسندی اور معاشرتی مشاہدات کا گہرا عکس ملتا ہے، وہیں زندگی کی ناپائیداری اور فانی پن کا نوحہ بھی ان کے اشعار میں نہایت دل گرفتہ انداز میں ابھرتا ہے۔ وہ وقت کے بے رحم بہاؤ، رشتوں کی عارضیت، اور انسانی وجود کی فانی حقیقت کو اپنے مخصوص نرم، مگر اثر انگیز لہجے میں بیان کرتی ہیں۔ ان کی بعض غزلیں مکمل طور پر زندگی کی بے ثباتی پر مرکوز ہیں، جن میں ہر شعر ایک یادگار لمحہ، ایک فکری جھٹکا اور ایک جذباتی صداقت لیے ہوئے ہوتا ہے۔ ذیل میں پیش کیے گئے اشعار اسی رجحان کے نمائندہ ہیں۔

؎یہ جسم جیون کے آستاں میں نہیں رہیں گے
سو ہم بھی اک دن ترے جہاں میں نہیں رہیں گے ۵۸؎

؎غرور مت کر کہ ایک موسم خزاں کا بھی ہے
یہ گل ہمیشہ تو گلستاں میں نہیں رہیں گے ۵۹؎

؎حادثے زیست میں رُونما ہو گئے
ہائے اپنے بھی ہم سے جدا ہو گئے ۶۰؎

؎ حوصلہ رکھوں خود کو تسلی بھی دوں
پاس بیٹھے ہوئے لا پتہ ہو گئے ۶۱؎

مایوسی:

فرح ملک کی شاعری میں جہاں امید، محبت اور جذبوں کی روشنی جھلکتی ہے، وہیں ایک گہری اداسی اور مایوسی کی پرچھائیاں بھی نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہیں۔ ان کے کلام میں یہ مایوسی محض ذاتی دکھ یا شکست کا اظہار نہیں بلکہ ایک اجتماعی بے بسی کی صورت میں ابھرتی ہے، جو ان کے مشاہدے، تجربے اور وطن کے حالات سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ ایک حساس دل اور باشعور ذہن کی حامل شاعرہ ہیں جو اپنے اطراف میں پھیلی بے حسی، ناانصافی، اور معاشرتی زوال کو صرف دیکھتی ہی نہیں بلکہ اسے محسوس کر کے لفظوں میں ڈھالتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایک ایسا کرب محسوس ہوتا ہے جو گہرے درد اور اندیشوں سے جنم لیتا ہے اور قاری کے دل کو چھو کر سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔شازیہ رباب کی رائے دیکھیے:

> ''انھیں اپنی مٹی سے شدید محبت ہے اور وہ ملکی حالات پر دُکھی نظر آتی ہیں۔ وہ حالات کی بہتری کے لیے دعا گو ہونے کے باوجود کہیں مایوسی کا شکار دکھائی دیتی ہیں کہ کوئی دعا، کوئی وظیفہ بہتری کی صورت پیدا نہیں کر رہا۔'' ۶۲؎

فرحؔ ملک کی شاعری میں مایوسی ایک داخلی سچائی کے طور پر ابھرتی ہے، جو محض یاسیت نہیں بلکہ شعوری ردِعمل ہے اُس معاشرتی، جذباتی اور خوابیدہ ٹوٹ پھوٹ کے خلاف جس سے ایک حساس انسان گزرتا ہے۔ ان کے اشعار میں یہ مایوسی نہایت سادہ مگر گہرے استعاروں کے ذریعے بیان ہوتی ہے، جو قاری کے دل پر براہِ راست اثر ڈالتی ہے۔کبھی ویران شہروں اور خاموش موسموں کا ذکر، تو کبھی خوابوں کی بربادی یہ تمام اشعار ایک ایسے ذہنی و جذباتی کرب کا اظہار ہیں جو مایوسی کو فکری جمالیات میں ڈھال دیتا ہے۔ ذیل کے اشعار اس پہلو کے نمائندہ ہیں۔

؎ تھک چکے ہیں لوگ بارش کی دعا کر کے فرحؔ
شہر صحرا بن چکا تو اب گھٹائیں کس لیے ۶۳؎

؎ خوابوں کی تعبیر نہیں ہے
آنکھوں میں تصویر نہیں ہے ۶۴؎

؎ کچھ ہیں ابھی بھی تازہ کچھ زخم بھر گئے ہیں
کچھ خواب جی رہے ہیں کچھ خواب مر گئے ہیں ۶۵؎

رومانیت:

فرح ملک کی شاعری میں رومانیت محض جذبے کی شدت کا نام نہیں، بلکہ ایک فکری نزاکت، جمالیاتی شعور اور داخلی تجربے کی تخلیقی ترجمانی ہے۔ ان کے ہاں رومانویت ایک خواب ناک کیفیت میں نہیں، بلکہ حقیقت کے لمس سے گندھی ہوئی دکھائی دیتی ہے، جو نہ صرف جذبے کو نکھارتی ہے بلکہ خیال کو بھی بلندی عطا کرتی ہے۔ وہ محبت، احساس، قربت، اور جذباتی وابستگی کو محض الفاظ میں قید نہیں کرتیں، بلکہ ان میں ایک تہذیبی شائستگی اور فکری گہرائی بھی شامل کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری میں رومانی فضا محض جذبہ نہیں بلکہ ایک مکمل ذہنی اور جمالیاتی تجربہ بن کر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ شازیہ رباب کی رائے دیکھیے:

> ''ان کی نظموں اور غزلوں میں رومانیت، لفظ اور معنی کے گہرے شعور اور تخیل کاری کی وجہ سے ایک خوبصورت شعری فضا جنم لیتی ہے اور فکر اور احساس ان کے شعروں میں جھلکتے محسوس ہوتے ہیں۔'' ۶۶؎

فرح ملک کی شاعری میں رومانیت ایک خاص اور نمایاں پہلو کے طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اُن کے اشعار میں جذبات کی گہرائی، یادوں کی چمک، محبت کا خلوص، اور روحانیت سے لبریز عشقیہ احساسات نظر آتے ہیں۔ وہ نہ صرف انسانی تعلقات کی نزاکت کو خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں بلکہ فطرت کے مناظر، بچپن کی یادیں، اور خدا سے وابستگی کو بھی رومانوی انداز میں پیش کرتی ہیں۔ اُن کی شاعری میں جگنوؤں کی روشنی، گاؤں کی گلیاں، بارش کی خنکی، اور ایثارِ عشق جیسے استعارے قاری کے دل میں ایک نرم اور لطیف تاثر قائم کرتے ہیں۔ یہی عناصر فرح ملک کی رومانوی شاعری کو نہایت دلکش اور اثر انگیز بناتے ہیں۔ حوالے کے اشعار دیکھیے:

؎ کیا بتاؤں کہ وہ کیا لوگ تھے جانے والے
وہ تو جگنو تھے ہمیں راہ دکھانے والے ۶۷؎

؎ ہمراہ میرے ہر پل تم اِدھر اُدھر تھے
یادیں تمھاری لے کر ہم تو جدھر گئے ہیں ۶۸؎

؎گاؤں کی وہ پیاری گلیاں، بچپن کے دن واپس لادو
واپس لادو پیار میں لپٹے سارے اُجلے اُجلے لوگ ۶۹؎

؎خفا جب سے ہوئی ہے مجھ سے بارش
میں تب سے کوئی اک بنجر زمیں ہوں ۷۰؎

؎دل میں خدا کا پیار بسانے کے بعد تم
دنیا کا پیار دل میں بساتے ہوئے ڈرو ۷۱؎

؎عشقِ خدا کا نام یہ ایثار ہی تو ہے
ہو آگ سامنے تو ذرا سوچتے نہیں ۷۲؎

حقیقت نگاری:

وقت، حالات اور جذبات وہ اہم عوامل ہیں جو انسان کو خود شناسی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ عوامل انسان کو اپنے باطن سے آشنا کرتے ہیں اور اس کی شخصیت کو نکھارتے ہیں۔فرح ملک کا کہنا ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتی ہیں یا محسوس کرتی ہیں، اسے مکمل سچائی اور دیانت داری کے ساتھ اشعار کی صورت میں دوسروں تک پہنچانا چاہتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کے اشعار نہ صرف ان کے اندرونی جذبات کا آئینہ ہوں بلکہ قارئین کو بھی ان احساسات سے جوڑیں اور انہیں سوچنے پر مجبور کریں۔فرح ملک لکھتی ہیں:

> ''وقت ، حالات، جذبات سب ایسے عوامل ہیں جو انسان کو اپنے آپ کو پہچاننے میں کارگر ہوتے ہیں۔ میں جو دیکھتی ہوں، محسوس کرتی ہوں، پوری ایمانداری سے اشعار کے ذریعے احباب تک پہنچانا چاہتی ہوں۔'' ۷۳؎

فرحؔ ملک کی شاعری میں حقیقت پسندی ایک نمایاں اور گہرا پہلو ہے۔ وہ اپنے اشعار میں زندگی کی تلخیوں، سماجی ناہمواریوں، انسانی رشتوں کی کمزوریوں اور سچائی کی قیمت کو غیر جذباتی مگر پراثر انداز میں پیش کرتی ہیں۔ ان کے کلام میں دکھ، درد، سچائی، اور خلوص جیسے عناصر محض شعری موضوعات نہیں بلکہ جیتی جاگتی حقیقت کی آئینہ داریاں ہیں۔ درج ذیل اشعار میں بھی ان کی شاعری کی یہی حقیقت پسند روش نمایاں طور پر جھلکتی ہے، جہاں وہ جذباتی صداقت کے ساتھ زندگی کے تلخ تجربات کو بیان کرتی ہیں۔

؎ جن سے ملنا تھا وہ نہیں آئے
ہم تو رستے پہ شام کر بیٹھے ۷۴؎

؎ میں نے سچ کا ساتھ دیا ہے جیون میں
مجھ سے کیوں تکرار منافق لوگ کریں ۷۵؎

؎ جس کی ہر ایک بات میں سچی دلیل ہو
مدت ہوئی ہے رہ میں وہ پاگل نہیں ملا ۷۶؎

مفلس کی لاڈلی کا فرحؔ دکھ عجیب تھا
وہ جس کے سر کو پیار کا آنچل نہیں ملا ۷۷؎

؎ دنیا یہ اعتبار کے قابل نہیں رہی
تم اپنے دُکھ کسی کو سناتے ہوئے ڈرو ۷۸؎

نسوانیت:

فرح ملک کی شاعری میں ایک ایسی نسوانی آواز ابھرتی ہے جو محض نسائی جذبات کی نمائندگی تک محدود نہیں بلکہ اپنی خودی، خودداری اور جذباتی پیچیدگیوں کے ساتھ مکمل شخصیت کا اظہار کرتی ہے۔ ان کے اشعار میں ایک عورت کا دل، اس کی حساسیت، اس کی خودداری، اس کا دکھ، اس کی چاہت، اس کی شرم وحیا اور اس کی مزاحمتی قوت، سب ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے جذبات کی صداقت سے آشنا ہیں بلکہ ان کے اظہار میں بھی جھجھک محسوس نہیں کرتیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرح ملک کی شاعری نسوانی تجربات کو سچائی اور گہرائی سے بیان کرتی ہے اور قاری کو ایک نسائی شعور کی بصیرت بخشتی ہے۔ یہی پہلو ان کے کلام کو دیگر شاعرات سے ممتاز بناتا ہے۔ اس ضمن میں حوالے کے اشعار دیکھیے:

؎ وہ کترا کر گزر جاتا تھا مجھ کو دیکھ کر لیکن
جلانے کو مجھے غیروں سے آنکھیں چار کرتا تھا ۷۹؎

؎تو نے تو دوستی مری سمجھی نہیں کبھی
فرحؔ نے دشمنی کو تری دوستی لیا ۸۰؎

؎میں ڈرتی نہیں ہوں عداوت سے تیری
خوشی ہو رہی ہے شرارت سے تیری ۸۱؎

؎بہانہ کیسے کر دوں اس بھلی معصوم لڑکی سے
حقیقت تلخ ہے مجھ کو چھپانی ہی نہیں آتی ۸۲؎

؎تری قربت بھلی مجھ کو لگی لیکن
حیا کی آنکھ شرمائی تو دل دھڑکا ۸۳؎

؎ضبط نے رکھ لی ہمیشہ ہی فرحؔ لاج مری
لوگ ملتے ہیں بہت زخم لگانے والے ۸۴؎

فرح ملک کی شاعری میں نسوانی جذبات کا اظہار نہایت سچائی اور احساس کے ساتھ ملتا ہے۔ ان کی ایک مسلسل غزل میں ''بیٹی'' کو مرکزی موضوع بنایا گیا ہے، جس میں وہ خدا سے ہم کلام ہو کر بیٹی کے وجود، اس کی تقدیر اور اس کے ساتھ جڑے سماجی مسائل کو بیان کرتی ہیں۔ یہ غزل بیٹی کے حوالے سے ایک ماں کے دکھ، خواب اور فکری اضطراب کی آئینہ دار ہے، جہاں ہر شعر اسی موضوع کے گرد گھومتا ہے اور قاری کے دل کو چھو جاتا ہے۔ غزل کے دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

؎مرے ہاتھ میں وہ قلم سونپ دیتا
تو جس سے ہے تقدیر بیٹی کی لکھتا ۸۵؎

؎گلہ میرے مولا یہی ہے فرحؔ کو
اگر بیٹی دی تھی تو دولت بھی دیتا ۸۶؎

اچھوتا پن:

فرح ملک کی شاعری کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے منفرد اسلوب اور تازہ موضوعات کے باعث ادبی منظرنامے پر نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ہر عہد کا شاعر اپنے ماحول، احساسات اور تجربات کو شعری پیکر میں ڈھال کر قاری کو نئے زاویے سے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے فرح ملک نے بھی اپنی شاعری میں زندگی کے مختلف رنگوں کو نہایت مؤثر اور چونکا دینے والے انداز میں پیش کیا ہے۔ پروفیسر انور جمال کی رائے میں:

> ''موضوع اور اسلوب، دونوں کے اعتبار سے فرح ملک ایک زندہ، متحرک اور فعال کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس کی شعری کائنات میں ایسے اچھوتے اشعار بھی ملتے ہیں جو قاری کو کتاب کے ٹائٹل کی طرح یک دم چونکا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' ۸۷؎

فرح ملک کی شاعری نئی زمینوں کی تلاش اور شعوری تجربات کی خوبصورت آمیزش کا نام ہے۔ ان کے پیش کردہ اشعار میں داخلی کرب، معاشرتی نفسیات، تعلقات کی پیچیدگیاں، اور عورت کی داخلی کشمکش جیسے نازک مگر اہم موضوعات کو ایک منفرد پیرائے میں باندھا گیا ہے۔ چاہے وہ خاموش رہنے والوں کا کلام کرنے لگنا ہو، تنہائی کے قیام پر سوال نہ اٹھایا جانا ہو، یا محبتوں کی ابتدا میں حیرانی کا جذبہ ہو، یہ سب اشعار زندگی کے ان گوشوں کو چھوتے ہیں جنھیں عام طور پر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خوابوں کو آنکھوں پر مسلط کرنے کی مجبوری، یا دو چہروں والے منافق لوگوں سے خبردار کرنا یہ وہ نئے زاویے ہیں جو فرح کی شاعری کو عصرِ حاضر کی فکر اور حساسیت سے ہم آہنگ بناتے ہیں۔ بعض اشعار جیسے ''یہ گھر ایک قید خانہ ہے'' یا ''بھلانے گیا تھا وہ میخانے مجھ کو'' میں روایتی استعارات ملتے ہیں، مگر ان کا استعمال اس انداز میں کیا گیا ہے کہ قاری کو جدت کا احساس ہوتا ہے۔ یوں کہیے کہ فرح ملک نے روایتی مضامین کو بھی نیا تناظر اور جدید تہہ عطا کی ہے، اور جن مضامین کو وہ نئے زاویوں سے برتتی ہیں، وہاں ان کی شاعری فکری طور پر اور بھی نکھر کر سامنے آتی ہے۔ فرح ملک کے ہاں اچھوتے پن کی مثالیں دیکھیے:

؎ جو کبھی بات ہی نہ کرتے تھے
وہ بھی ہم سے کلام کر بیٹھے ۸۸؎

کوئی بھی پوچھنے نہیں آیا
کس جگہ ہم قیام کر بیٹھے ۸۹

ابھی سے حیران ہو رہے ہو، ابھی تو آغاز ہے وفا کا
تمھیں خبر کیا محبتوں کی، ابھی عطاؤں کی ابتدا ہے ۹۰

بھلانے گیا تھا وہ میخانے مجھ کو
ستم یہ وہاں سے بھی ناکام آیا ۹۱

یہ گھر ایک قید خانہ ہے بچھڑ کر کیا گئے ہو تم
کہ آزادی میں بھی منظر ہمیشہ جیل کے دیکھیں ۹۲

تھے پالے آستینوں میں بہت سے ناگ میں نے بھی
مگر ان کو گرانے سے مجھے اب خوف آتا ہے ۹۳

ہر شب نیند کو آوازیں میں دیتی ہوں
آنکھوں کو جب خواب دکھانا پڑتا ہے ۹۴

دور رہو ان دو چہرے کے لوگوں سے
ذہنوں کو بیمار منافق لوگ کریں ۹۵

یہ ہے تیری گلی اب یقین آ گیا
سانس اکھڑا ہوا جاں نکلنے لگی ۹۶

نظمیں:

فرح ملک جدید اردو شاعری میں ایک حساس اور باشعور شاعرہ کی حیثیت رکھتی ہیں جنھوں نے نہ صرف غزل کے ذریعے اپنے جذبات، کیفیات اور داخلی احساسات کو صوت و آہنگ میں ڈھالا بلکہ نظم کے میدان میں بھی اپنی فکر

اور مشاہدے کی گہرائی کا ثبوت دیا۔ ان کی غزلیں عموماً عشق، ہجر، درد اور نسوانی جذبات کی عکاس ہوتی ہیں، جو اردو غزل کی روایتی فضا میں ایک نیا رنگ بھرتی ہیں۔ تاہم وہ صرف رومانوی دائرے تک محدود نہیں رہتیں بلکہ نظم کے ذریعے انہوں نے سماجی، معاشرتی اور فکری موضوعات کو بھی بڑی سچائی اور جرات سے بیان کیا ہے۔ نظم چونکہ ایک مربوط اور وسیع تر موضوعی اظہار کا ذریعہ ہے، اس لیے فرح ملک نے اپنے مشاہدات، اردگرد کے مسائل، انسانی رویوں، عورت کی کیفیت، محرومیوں اور تضادات کو نظم کے قالب میں ڈھال کر ایک نیا فکری زاویہ پیش کیا ہے۔ غزل کی لطافت اور نزاکت کے بعد جب ہم ان کی نظموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک گہرے اور سنجیدہ شعور سے روشناس ہوتے ہیں جو ان کی شخصیت اور فن دونوں کا پختہ عکس پیش کرتا ہے۔ زیرِ مطالعہ باب میں، ہم فرح ملک کی نظموں کو مختلف موضوعاتی زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کریں گے تاکہ ان کے فکری تنوع اور شاعرانہ مہارت کا احاطہ کیا جا سکے۔

اگرچہ فرح ملک کی نظموں کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اور ان میں سماجی، نفسیاتی اور وجودی موضوعات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے، لیکن ان کی نظموں میں عشق و محبت کا موضوع بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح ان کی غزلوں میں عشق کی نزاکت، جدائی کا کرب، محبوب کی یاد اور باطنی کیفیتوں کا اظہار باریکی سے کیا گیا ہے، ویسے ہی ان کی نظموں میں بھی عشق و محبت کی کیفیات ایک مختلف مگر گہرے انداز میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ فرق صرف اس اسلوب اور اظہار کے پیرائے میں ہے؛ نظم میں وہ جذباتی تسلسل، داخلی مکالمہ اور فکری جہتوں کے ساتھ محبت کو بیان کرتی ہیں جو اسے صرف ایک شخصی جذبہ نہیں بلکہ ایک کائناتی تجربہ بنا دیتا ہے۔ ان نظموں میں محبوب کی ذات سے زیادہ محبت کا تصور اور اس کے اثرات پر زور دیا گیا ہے، جو قاری کو محض جذباتی نہیں بلکہ فکری سطح پر بھی متاثر کرتا ہے۔ اس حصے میں ہم فرح ملک کی ان نظموں کا جائزہ لیں گے جو عشق و محبت کے موضوع کو مرکزِ نگاہ بناتی ہیں۔ ان کی نظم ''عشق کی بندگی'' میں وہ اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ اگر محبت میں خلوص ہو تو وہی عشق کامل کہلاتا ہے۔ اس نظم کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

خلوص عشق کامل ہو
زمانہ بھی نہ حائل ہو
خلوص بندگی بھی ہو
تو پھر کیسا یہ شرمانا

تو پھر کیسا یہ اترانا
درِ محبوب پر جھک کر
حصول عشق کی خاطر
محبت کو اَمر کردو ۹۷؎

فرح ملک کی نظموں میں عشق و محبت کے جذبات صرف شخصی رومان تک محدود نہیں بلکہ ان کا دائرہ کار قومی جذبے تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں وطن سے محبت کا جذبہ نہایت گہرا اور پرخلوص انداز میں نمایاں ہوتا ہے۔ اُن کی کئی نظمیں وطن پرستی، قومی حمیت اور حب الوطنی کے جذبات سے لبریز ہیں۔ خاص طور پر وطن کے لیے ان کا رویہ ایک دعائیہ اور پرعقیدت انداز اختیار کرتا ہے، جہاں وہ نہ صرف وطن کی سلامتی، ترقی اور خوشحالی کے لیے دعا گو ہوتی ہیں بلکہ اس محبت کو اپنے فکری اور روحانی اظہار کا حصہ بھی بناتی ہیں۔ ان کی نظم ''پاک وطن'' اسی جذبۂ حب الوطنی کی ایک خوبصورت مثال ہے، جس کے مصرعے ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

اے پاک وطن، اے پاک وطن
تُو ایک چمکتا چاند رہے
تری آن کا سورج یوں چمکے
ترے نام کی کرنیں روشن ہوں
ہر دل میں پاکستان رہے ۹۸؎

فرح ملک کی وطن سے محبت محض جذباتی وابستگی تک محدود نہیں، بلکہ ان کی شاعری میں یہ جذبہ ایک عزم، شعور اور عملی جدوجہد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان کی وطن پر مبنی نظموں میں قوم کی اجتماعی ذمہ داری، قربانی اور محنت کا تصور نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی ایک نظم ''یہ طے ہے کرنا (پہلا حصہ)'' اسی فکری رویے کی آئینہ دار ہے، جس میں وہ ملک و ملت کے لیے قربانی، اتحاد، اور مسلسل محنت کو لازمی قرار دیتی ہیں۔ نظم میں وہ اس امر پر زور دیتی ہیں کہ ہمیں بطور قوم یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ملک کی خاطر ہر ممکن قدم اٹھانا ہوگا، چاہے وہ قربانی ہو یا شب و روز محنت۔ یہ نظم حب الوطنی کے جذبات کو بیدار کرنے اور قوم کو عملی میدان میں سرگرم ہونے کا پیغام دیتی

ہے۔اس نظم کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

وطن کی خاطر ہے کس نے مرنا
ہے کس نے جینا، یہ طے ہے کرنا
مرے وطن پہ نہ آنچ آئے
ہے اس کی خاطر ہمیں سنورنا
یہ طے ہے کرنا ۹۹؎

فرح ملک کی نظم ''یہ طے ہے کرنا (پہلا حصہ)'' کا تسلسل ایک اور نظم ''یہ طے کیا ہے (دوسرا حصہ)'' میں بھی برقرار رہتا ہے، جہاں وہ وطن سے سچی محبت، نیک تمناؤں اور اصلاحِ وطن کے عزم کا اظہار کرتی ہیں۔اس نظم میں وہ اس یقین اور ارادے کا اعلان کرتی ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ غاصب عناصر کو وطن سے نکال باہر کیا جائے، اور ایک ایسا نڈر، باکردار اور خوددار لیڈر چنا جائے جو غریب عوام کے مسائل کو سمجھے اور ان سے سچی محبت رکھتا ہو۔یہ نظم نسلِ نو کو نہ صرف بیدار کرتی ہے بلکہ انہیں ایک روشن اور خودمختار مستقبل کی امید بھی دیتی ہے۔نظم کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

ہم اپنا لیڈر چنیں گے ایسا
عوام کی جو کرے گا عزت
وہ جس کو ہو گی ہر اک سے اُلفت
وطن کا پرچم بلند کر کے
نہیں جئے گا کسی سے ڈر کے
سبھی نے مل کر یہ طے کیا ہے ۱۰۰؎

موت:

فرح ملک کی غزل کی مانند ان کی نظموں میں بھی موت کا گہرا اور پر اثر احساس جھلکتا ہے۔وہ زندگی کی ناپائیداری اور موت کی حقیقت کو اس انداز سے بیان کرتی ہیں کہ قاری کے دل میں ایک خاموش سی اداسی اور فکری گہرائی اترتی چلی جاتی ہے۔ان کی نظموں میں غزل کی سی لطافت اور سوز پایا جاتا ہے، جہاں ہر لفظ زندگی کے کرب اور فنا کے یقین کو سادہ مگر پُراثر انداز میں ظاہر کرتا ہے۔خصوصاً ان کی نظم ''رشتہ'' کے چند مصرعے زندگی اور موت کے اس ازلی رشتے کو نہایت خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

دریائے زندگی کے بھنور ساتھ ساتھ ہیں
اس عارضی سی زیست کا انجام ہے یہی
قیدِ بدن میں سانس کے آزار سے مجھے
آزاد ہو کے جانا ہے مجھ کو بھی ایک دن ۱۰۱؎

زندگی کے ساتھ موت کا احساس بھی ایک ناگزیر حقیقت کی صورت جُڑا رہتا ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس کے بچھڑ جانے کا خوف ہمیشہ اس کے دل میں موجود رہتا ہے۔ یہی خوف اس کے جذبات، رویّوں اور خیالات پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اردو شاعری میں اس موضوع کو متعدد شعرا نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ میراجی کا یہ شعر اس احساس کی شدت کو خوبصورت انداز میں ظاہر کرتا ہے:

؎ کتنی دلکش ہو تم، کتنا دل جُو ہوں میں
کیا غضب ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے ۱۰۲؎

اسی جذبے کی جھلک فرح ملک کی نظم ''سنو'' میں بھی دکھائی دیتی ہے، جہاں وہ محبوب کے بچھڑ جانے، یا یوں کہیے موت کی صورت اس کی عدم موجودگی کے تصور سے لرزاں ہیں۔ اس نظم میں شاعرہ موت کو محض ایک فطری انجام کے طور پر نہیں، بلکہ محبوب کی جدائی کے خوف کی صورت محسوس کرتی ہیں، اور اسی کیفیت میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر اظہارِ خیال کرتی ہیں۔ ان کی نظموں میں یہ جذباتی گہرائی اور وجودی بے چینی نہ صرف قاری کے دل کو چھوتی ہے، بلکہ زندگی اور موت کے رشتے پر نئے زاویے سے سوچنے پر بھی اُبھارتی ہے۔ ان کی نظم ''سنو'' کے درج ذیل مصرعے دیکھیے:

سنو!
ہم آج اک وعدہ کریں مل کر
کہ یہ عادت بدل ڈالیں
ہمیشہ ساتھ رہنے کی
ہمیشہ ساتھ دینے کی
خبر کیا ہے
کہ کل کیا ہو

اگر ہم تم بچھڑ جائیں
تو پھر زندہ ہی مر جائیں ۱۰۳؎

دعائیہ انداز:

فرح ملک کی شاعری کی ایک نمایاں خوبی ان کا دعائیہ انداز ہے، جو نہ صرف ان کی غزلوں بلکہ نظموں میں بھی بارہا محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان کے کلام میں یہ دعائیہ اسلوب ایک نسائی لہجے اور ایک ماں کے روپ میں ڈھل کر سامنے آتا ہے۔ ان کی نظم ''اپنے بیٹوں کے نام'' اس کی بہترین مثال ہے، جہاں وہ اپنے بیٹوں کو نہایت شفقت اور دردمندی سے مخاطب کرتی ہیں، انہیں زندگی میں سچائی، دیانت اور خودداری کی تلقین کرتی ہیں۔ نظم کے اختتام پر وہ ایک ماں کے روپ میں اپنے بچوں کے لیے نہایت محبت، خلوص اور بے پناہ دعا کے ساتھ ربِ کائنات سے رجوع کرتی ہیں۔ یہ دعا نہ صرف ایک ماں کے جذبات کی عکاس ہے بلکہ فرح ملک کی شاعری میں موجود روحانی وابستگی اور جذباتی گہرائی کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ نظم کے مصرے دیکھیے:

مرے مولا! میں اک ماں ہوں
مری یہ التجا سُن لینا
زمانے کی مصیبت سے
مرے بچے بچا لینا ۱۰۴؎

فرح ملک کی شاعری میں ماں کا کردار محض ذاتی یا گھریلو دائرے تک محدود نہیں رہتا، بلکہ یہ کردار ایک وسیع تر جذبے میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنی اولاد کے لیے دعا گو ہیں بلکہ اپنی دھرتی، قوم اور آنے والی نسلوں کے لیے بھی دل سے دعا کرتی نظر آتی ہے۔ یہ ماں وطن سے محبت کو اپنی ممتا کا ایک فطری تسلسل سمجھتی ہے۔ فرح ملک کے ہاں ماں کی دعا صرف گھریلو فلاح تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسے قوم پرست، دردمند دل کی آواز بن جاتی ہے جو اپنی زمین کی سلامتی، ترقی اور خودداری کے لیے بھی خدا کے حضور جھکتی ہیں۔ نظم ''بارود کا دکھ'' کے مصرعے ملاحظہ کیجیے، جہاں فرح ملک نہایت استعاراتی اور علامتی انداز میں ربِ کائنات کے حضور اپنے وطن کے جوانوں کے لیے دعا گو نظر آتی ہیں۔

دو جہاں کے خدا
باغ آباد ہو

پھول مہکے رہیں
پھول کلیوں کو تو
قہر سے خود بچا ۱۰۵؎

معاشرتی ناہمواری:

فرح ملک کی نظموں میں ایک نمایاں اور مسلسل ابھرنے والا موضوع ظلم، جبر اور ناانصافی کے خلاف احتجاج ہے۔ وہ اپنے شعری اظہار کے ذریعے نہ صرف معاشرتی ناہمواریوں کو بے نقاب کرتی ہیں بلکہ ان کے خلاف پرزور آواز بھی بلند کرتی ہیں۔ ان کی نظموں میں محروم طبقے کی فریاد، مظلوم کی سسکی، اور سچ کے لیے مزاحمت کی گونج صاف سنائی دیتی ہے۔ فرح ملک کا قلم محض احساسات کا ترجمان نہیں بلکہ ایک بیدار ضمیر کی آواز ہے، جو ظالمانہ نظام، طبقاتی تفریق اور طاقت کے ناجائز استعمال کے خلاف ادبی مزاحمت کا ذریعہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کا کلام قاری کو صرف متاثر نہیں کرتا بلکہ جھنجھوڑتا ہے، سوچنے پر مجبور کرتا ہے اور خاموش تماشائی بنے رہنے کے بجائے کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''نظام'' کا آخری بند دیکھیے:

سحر کی آئی نہیں ہے باری
ستم کی سب کا ستم ہے جاری
عجیب منصف ہیں زر پجاری
سنیں نہ مفلس کی گریہ زاری ۱۰۶؎

امید:

فرح ملک اپنے کلام میں اگرچہ ملکی حالات کی سنگینی، ناانصافی اور جبر کی عکاسی کرتی ہیں، تاہم وہ مایوسی کا شکار نظر نہیں آتیں۔ ان کی شاعری میں ایک ایسی امید کی روشنی جھلکتی ہے جو قاری کو ناامیدی کے اندھیروں سے نکال کر مثبت سوچ کی جانب راغب کرتی ہے۔ وہ باور کراتی ہیں کہ اگر قوم باشعور ہو جائے اور ایسا دیانتدار، نڈر اور باصلاحیت لیڈر منتخب کرے جو صرف ذاتی مفاد نہیں بلکہ ملک وقوم کی بہتری کو مقدم رکھے، تو یہ سرزمین ترقی، خوشحالی اور انصاف کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔ فرح ملک کا یہ پیغام نہ صرف حوصلہ افزا ہے بلکہ ہر باشعور فرد کے دل میں تبدیلی کی امید جگاتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''یہ طے کیا ہے'' کے مصرعے دیکھیے:

ہم اپنا لیڈر چنیں گے ایسا
عوام کی جو کرے گا عزت

وہ جس کو ہو گی ہر اک سے الفت
وطن کا پرچم بلند کر کے
نہیں جئے گا کسی سے ڈر کے ۱۰۷؎

عورت کو ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ ناانصافی، جبر اور استحصال کا سامنا رہا ہے۔ صدیوں سے اسے اس کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا، اس کی آواز دبائی گئی، اور اُسے معاشرتی روایتوں کی زنجیروں میں جکڑ کر پاؤں کی جوتی سمجھا گیا۔ تاہم فرح ملک کی شاعری ان دقیانوسی تصورات کے خلاف ایک جرأت مندانہ بیانیہ پیش کرتی ہیں۔ وہ عورت کو محض ایک مظلوم کردار کے طور پر پیش نہیں کرتیں، بلکہ ایک باشعور، خودمختار اور باوقار انسان کی صورت میں سامنے لاتی ہیں جو اب مزید ظلم برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ ان کے اشعار عورت کے اندر بیداری، خوداعتمادی اور حق کے لیے آواز اٹھانے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ امید دلاتی ہیں کہ اب وہ دور نہیں رہا جب عورت خاموشی سے جبر سہتی تھی، اب وہ اپنے وجود، وقار اور حق کے لیے خود کھڑی ہوگی۔ ذیل میں ان کی نظم ’’عورت‘‘ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں، جو اس سوچ کی بہترین عکاسی کرتے ہیں:

ستم گرو نہیں بے بس رہی ہے اب عورت
وہ دور اور تھے پستی رہی ہے جب عورت
یہ اپنے حق کی صدا اب نہیں دبائے گی
قسم خدا کی ستم اب نہیں اُٹھائے گی ۱۰۸؎

فرح ملک کی غزلوں اور نظموں کے موضوعات میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں اصناف میں موت کا کرب، نسائی لہجہ اور اس سے جڑے احساسات، حسن و عشق کی کیفیات، امید و یاس کی کشمکش اور دعائیہ طرزِ اظہار نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں جو درد اور نسوانی شعور ملتا ہے، وہ نہ صرف قاری کے دل کو چھوتا ہے بلکہ اسے سوچنے پر بھی مجبور کرتا ہے۔ شعری مجموعہ ’’نہیں رہیں گے‘‘ کے موضوعاتی مطالعے سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ فرح ملک نے غزل اور نظم دونوں میں اپنے فکری تسلسل اور جذباتی تہہ داری کو بخوبی نبھایا ہے۔ اگلے باب میں ہم اس مجموعے کا اسلوبیاتی مطالعہ کریں گے تاکہ ان کے فنی اظہار، زبان و بیان، اور اسلوب کی فنی باریکیوں کو مزید گہرائی سے سمجھا جا سکے۔

حوالہ جات

۱۔ فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۳

۲۔ سلام سندیلوی، ادب کا تنقیدی مطالعہ، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، س ن، ص ۳

۳۔ فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۹

۴۔ ایضاً، ص ۲۳

۵۔ ایضاً، ص ۲۳

۶۔ ایضاً، ص ۲۴

۷۔ ایضاً، ص ۲۷

۸۔ ایضاً، ص ۲۸

۹۔ ایضاً، ص ۴۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۸۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۸۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۷۰

۲۳۔ایضاً،ص ۸۳

۲۴۔ایضاً،ص ۸۵

۲۵۔ایضاً،ص ۱۸

۲۶۔ایضاً،ص ۴۰

۲۷۔ایضاً،ص ۴۷

۲۸۔ایضاً،ص ۴۸

۲۹۔ایضاً،ص ۶۶

۳۰۔ایضاً،ص ۱۷

۳۱۔ایضاً،ص ۳۷

۳۲۔ایضاً،ص ۵۷

۳۳۔ایضاً،ص ۹۱

۳۴۔ایضاً،ص ۱۷

۳۵۔ایضاً،ص ۷۳

۳۶۔ایضاً،ص ۶۷

۳۷۔ابوالاعجاز صدیقی (مرتب)، کشاف تنقیدی اصلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۷۵ء، ص ۸۶

۳۸۔فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۹

۳۹۔ایضاً،ص ۳۱

۴۰۔ایضاً،ص ۸۷

۴۱۔ایضاً،ص ۹۴

۴۲۔ایضاً،ص ۹۵

۴۳۔ایضاً،ص ۱۰۰

۴۴۔فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شاعری کا فنی ارتقاء، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸

۴۵۔فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، پسِ سرورق

۴۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۴۷۔ ایضاً، ص ۴۲

۴۸۔ ایضاً، ص ۹۳

۴۹۔ ایضاً، ص ۹۹

۵۰۔ ایضاً، ص ۹۱

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۰

۵۳۔ ایضاً، ص ۶۲

۵۴۔ ایضاً، ص ۶۸

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۷

۵۶۔ ایضاً، ص ۸۳

۵۷۔ ایضاً، ص ۱۸

۵۸۔ ایضاً، ص ۲۹

۵۹۔ ایضاً، ص ۳۰

۶۰۔ ایضاً، ص ۳۷

۶۱۔ ایضاً، ص ۳۸

۶۲۔ ایضاً، ص ۱۸

۶۳۔ ایضاً، ص ۳۶

۶۴۔ ایضاً، ص ۵۵

۶۵۔ ایضاً، ص ۵۷

۶۶۔ ایضاً، ص ۱۸

۶۷۔ ایضاً، ص ۳۷

۶۸۔ ایضاً، ص ۵۷

۶۹۔ایضاً،ص ۷۷

۷۰۔ایضاً،ص ۸۵

۷۱۔ایضاً،ص ۸۷

۷۲۔ایضاً،ص ۹۱

۷۳۔ایضاً،ص ۲۱

۷۴۔ایضاً،ص ۲۵

۷۵۔ایضاً،ص ۶۶

۷۶۔ایضاً،ص ۸۱

۷۷۔ایضاً،ص ۸۲

۷۸۔ایضاً،ص ۸۸

۷۹۔ایضاً،ص ۳۳

۸۰۔ایضاً،ص ۴۶

۸۱۔ایضاً،ص ۴۹

۸۲۔ایضاً،ص ۶۱

۸۳۔ایضاً،ص ۶۷

۸۴۔ایضاً،ص ۷۴

۸۵۔ایضاً،ص ۹۵

۸۶۔ایضاً،ص ۹۶

۸۷۔فرح ملک،نہیں رہیں گے،سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، پسِ سرورق

۸۸۔ایضاً،ص ۲۵

۸۹۔ایضاً،ص ۲۶

۹۰۔ایضاً،ص ۳۲

۹۱۔ایضاً،ص ۴۰

۹۲۔ ایضاً، ص ۴۳

۹۳۔ ایضاً، ص ۵۴

۹۴۔ ایضاً، ص ۶۳

۹۵۔ ایضاً، ص ۶۵

۹۶۔ ایضاً، ص ۷۰

۹۷۔ ایضاً، ص ۱۳۲، ۱۳۱

۹۸۔ ایضاً، ص ۱۵۲

۹۹۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۱۰۰۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۱۰۱۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۱۰۲۔ جون ایلیا، شاید، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۳

۱۰۳۔ فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۲۴

۱۰۴۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۱۰۵۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۰۶۔ ایضاً، ص ۱۰۶

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۱۰۸۔ ایضاً، ص ۱۶۰

باب چہارم

''نہیں رہیں گے'' کا اسلوبیاتی جائزہ

غزل و نظم کی فنی جہات:

اردو شاعری کا دامن ہمیشہ ایسے تخلیق کاروں سے بھرا رہا ہے جنھوں نے اپنی انفرادی آواز اور جداگانہ اسلوب سے نہ صرف روایت کو نیا رنگ دیا بلکہ قاری کو ایک فکری و جذباتی تجربے سے بھی روشناس کرایا۔ فرح ملک اسی قافلے کی ایک نمایاں شاعرہ ہیں جنھوں نے اپنے تخلیقی اظہار میں وقت، جذبات، معاشرتی تجربات اور نسائی شعور کو گہرے فنی شعور کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف محسوسات کی شدت سے لبریز ہے بلکہ زبان و بیان، آہنگ، تشبیہ و استعارہ، عروضی ساخت، اور اسلوبیاتی نکھار کے لحاظ سے بھی قابلِ مطالعہ اور توجہ طلب ہے۔ فرح ملک کی غزلیں جہاں روایتی غزل کے اسلوب سے جڑی ہوئی نظر آتی ہیں، وہیں ان میں موجود ندرت، تازہ موضوعات، علامتی اظہار اور جدید حسیت انھیں معاصر غزل گو شاعرات میں ممتاز کرتی ہے۔ دوسری جانب ان کی نظمیں فکری تنوع، موضوعاتی گہرائی اور بیانیہ قوت کی حامل ہیں، جو قاری کو نہ صرف متاثر کرتی ہیں بلکہ معاشرتی، نفسیاتی اور وجودی پہلوؤں پر غور و فکر کی دعوت بھی دیتی ہیں۔ زیرِ نظر باب میں ہم فرح ملک کی غزل و نظم کا فنی جائزہ لیں گے اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ اُن کے ہاں فنی شعور، لسانی مہارت، تخلیقی تازگی اور فکری پختگی کس حد تک موجود ہے۔ اس جائزے کا مقصد نہ صرف فرح ملک کے شعری کینوس کی تفہیم ہے بلکہ اردو شاعری میں اُن کے مقام اور انفرادیت کو فنی زاویے سے اُجاگر کرنا بھی ہے۔

تشبیہات:

فرح ملک کی شاعری میں تشبیہات کا استعمال نہایت سلیقے کے ساتھ کیا گیا ہے، جو ان کے اسلوب کی ایک نمایاں خوبی ہے۔ خاص طور پر وہ غزل جس کی ردیف ''کی طرح'' ہے، تشبیہ کے جمالیاتی استعمال کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ چونکہ ''کی طرح'' خود ایک حرفِ تشبیہ ہے، اس لیے غزل کے ہر شعر میں فطری طور پر تشبیہ کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ شاعرہ نے روزمرہ کی کیفیات، جذبات اور مناظر کو اس انداز میں ایک دوسرے سے تشبیہ دی ہے کہ معنی کی تہیں گہری ہو جاتی ہیں اور قاری کے لیے اشعار میں جذباتی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذیل میں اس غزل کے چند اشعار بطور حوالہ پیش کیے جا رہے ہیں:

ے دل تو کب کا ہو چکا تھل کی طرح
آنکھ میں اب آئے وہ جل کی طرح اے

؎ تم رہو دل میں ہمیشہ کے لیے
کس لیے آئے ہو اک پل کی طرح ۲؎

مندرجہ ذیل شعر میں شاعرہ نے خود کو بنجر زمین سے تشبیہ دی ہے۔

؎ خفا جب سے ہوئی ہے مجھ سے بارش
میں تب سے کوئی اک بنجر زمیں ہوں ۳؎

استعارات:

فرح ملک کی شاعری میں استعاروں کا استعمال نہایت بامعنی اور فنکارانہ ہے، جو نہ صرف ان کے مافی الضمیر کو مؤثر انداز میں بیان کرتا ہے بلکہ قاری کے لیے ایک بصری اور جذباتی تجربہ بھی پیدا کرتا ہے۔ وہ عام لفظوں کو غیر معمولی معنویت دے کر گہرے جذبات اور پیچیدہ کیفیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان کے اشعار میں ''معجزے'' کسی ماورائی واقعے کی بجائے دل پر اثر کرنے والی بات یا کیفیت کا استعارہ ہیں۔ ''تیر'' کو وہ آخری سانسوں کی تکلیف کے لیے بطور استعارہ استعمال کرتی ہیں، جو جسمانی اذیت سے زیادہ روحانی کرب کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ''پُل صراط'' کا استعمال کسی نازک تعلق، فیصلے یا مشکل لمحے کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ محبوب کو وہ ایک مشکل نصاب کا استعارہ دے کر نہ صرف اس کی پیچیدگی بلکہ اس کی گرفت اور فہم کی دشواری کو ظاہر کرتی ہیں۔ خوابوں کے چکنا چور ہونے کو وہ ''کرچیاں'' کہہ کر اس درد کو مجسم کرتی ہیں جو آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے بہتا ہے۔

؎ یہ جھوٹ جب تک رہے گا کردار میں جو تیرے
تو معجزے بھی ترے بیاں میں نہیں رہیں گے ۴؎

؎ یہ لمحہ لمحہ جو چل رہے ہیں دلیر بن کر
یہ تیر سانسوں کے اب کماں میں نہیں رہیں گے ۵؎

؎ سوچا نہیں تھا بچھڑیں گے اس پُل صراط پر
رسوائیوں کا ڈر تھا لبوں کو بھی سی لیا ۶؎

؎ پڑھنا چاہوں تو پڑھ نہیں سکتی
تم وہ مشکل نصاب ہو ہمدم ۷؎

؎میری آنکھوں کو کر گئے زخمی
خواب کب تھے وہ کرچیاں تھیں سب ۸؎

علامتیں:

فرح ملک کے بعض اشعار ایسے ہیں جن میں استعارہ اور علامت دونوں کی حسین آمیزش نظر آتی ہے، جس سے ان کی شاعری میں نہ صرف جمالیاتی کشش پیدا ہوتی ہے بلکہ معنوی گہرائی اور فکری وسعت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ وہ روزمرہ زندگی کے تجربات کو مجرد پیکروں اور تہہ دار امیجز کے ذریعے اس طرح بیان کرتی ہیں کہ قاری محض الفاظ نہیں پڑھتا، بلکہ ان کے پیچھے چھپے معنی کو محسوس کرتا ہے۔ ان کے کئی اشعار میں کوئی ایک لفظ یا شبیہ بیک وقت استعارہ بھی ہوتی ہے اور علامت بھی، جو مختلف سطحوں پر معنویت کو ابھارتی ہے۔ یہی فنی چابک دستی اور شعری ہنر مندی ان کے اسلوب کو ممتاز بناتی ہے۔ اس سیاق میں یہ بات نہایت اہم ہو جاتی ہے کہ:

''استعارہ اور علامت کے رشتے آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ بعض اوقات علامت دائمی استعارہ اور استعارہ عمومی علامت بن جاتی ہے۔''۹؎

فرح ملک کے اشعار محض سطحی مفہوم پر مبنی نہیں بلکہ ان میں پوشیدہ اور تہہ دار معانی پائے جاتے ہیں جو قاری کو غور و فکر پر مائل کرتے ہیں۔ انہی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ذیل میں ایسے اشعار کا انتخاب کیا ہے جن میں بیک وقت استعارہ نگاری اور علامتی اظہار کی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ چونکہ ان اشعار میں معنی کے کئی پہلو موجود ہیں، اس لیے ان کی تشریح و وضاحت ضروری سمجھی، تاکہ فرح ملک کے اصل مافی الضمیر تک پہنچ کر اشعار کی گہرائی کو سمجھا جا سکے۔

؎غرور مت کر کہ ایک موسم خزاں کا بھی ہے
یہ گل ہمیشہ تو گلستاں میں نہیں رہیں گے ۱۰؎

اس شعر میں فرح ملک نے استعارہ اور علامت کی خوبیاں نہایت مؤثر انداز میں استعمال کی ہیں۔ ''گل'' اور ''گلستاں'' انسان کی عروج، خوبصورتی یا خوشحالی کے استعارے ہیں، جب کہ ''خزاں'' کو علامت کے طور پر زوال، فنا یا وقت کی بے رحمی کی صورت پیش کیا گیا ہے۔ شاعرہ زندگی کی ناپائیداری اور فطرت کے اُتار چڑھاؤ کو نہایت دلنشین انداز میں یوں بیان کرتی ہیں کہ یہ نصیحت بھرپور اثر چھوڑتی ہے۔ شعر کا انداز سادہ مگر معنی آفرین ہے، جو قاری کو نہ صرف سوچنے پر مجبور کرتا ہے بلکہ ایک اخلاقی پیغام بھی دیتا ہے۔

؎بظاہر جی رہی ہوں میں وہ سانسیں لے گیا مجھ سے
جلیں گے کس طرح سے اب، دیے بن تیل کے دیکھیں ۱۱؎

درج بالا شعر میں ''سانسیں''، محض جسمانی زندگی کی علامت نہیں بلکہ جذباتی توانائی، سکون، اور جینے کی اصل وجہ کا استعارہ ہیں۔ جب شاعرہ کہتی ہے کہ ''وہ سانسیں لے گیا''، تو اس سے مراد محبوب یا کوئی قریبی وجود ہے جس کے چلے جانے سے زندگی محض ایک جسمانی بقا بن کر رہ گئی ہے۔ اسی طرح ''دیے'' کو زندگی اور ''تیل'' کو محبت، جذبہ یا روحانی توانائی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شعر کا دوسرا مصرع ایک مکمل استعارہ ہے، جو اس فکری کیفیت کو بیان کرتا ہے کہ جب روحانی توانائی یا محبت باقی نہ رہے تو زندگی محض ایک بے نور، خالی سا وجود بن جاتی ہے۔ یہ شعر جذباتی گہرائی، علامتی تہ داری، اور استعاراتی حسن کا بہترین نمونہ ہے۔

چڑھی جاتی ہے مرضی سے یہ گھر کی بالکونی پر
کبھی فرصت میں آ جاؤ تماشے بیل کے دیکھیں ۱۲

شاعرہ نے یہاں ''بیل'' کو محض ایک پودے کے طور پر نہیں، بلکہ ایک علامتی کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ بیل کی خودرَوی، بے قابو بڑھنے اور اپنی مرضی سے جگہ گھیرنے والی فطرت کو انسان کی مخصوص نفسیاتی یا معاشرتی روش کا استعارہ بنایا گیا ہے۔ یہ بیل اُس فرد یا رویے کی نمائندگی کرتی ہے جو بنا رُکے، بنا روک کے، دوسروں کی حدود میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ ''تماشے'' کا لفظ بھی علامتی ہے، جو ایسی حرکات و سکنات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو معاشرتی دلچسپی یا طنز کا باعث بنتی ہیں۔ یوں یہ شعر ظاہری سادگی میں لپٹی ایک گہری سماجی و نفسیاتی تصویر پیش کرتا ہے۔

کانٹے لے کر پھرتے ہیں یہ مُٹھی میں
رستوں کو دشوار منافق لوگ کریں ۱۳

یہاں ''کانٹے'' اور ''رستے''، محض ظاہری اشیاء نہیں بلکہ گہری علامتی معنویت رکھتے ہیں۔ ''کانٹے'' ان لوگوں کے رویوں، سازشوں یا بدخواہی کا استعارہ ہیں جو دوسروں کے لیے تکلیف دہ یا نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ''مُٹھی میں کانٹے لے کر پھرنا'' ایک مؤثر استعارہ ہے جو دشمنی یا منافقت کو چھپائے رکھنے اور موقع آنے پر چُبھانے کے رویے کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسری طرف ''رستے'' کو زندگی، سفر، یا مقصد تک پہنچنے کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اور ان راستوں کو ''دشوار'' بنانا ان لوگوں کی منفی اثر انگیزی کو ظاہر کرتا ہے۔

برسوں ہوئے ہیں پیاس میں ڈوبی ہوئی ہے یہ
پیاسی زمیں کو پھر سے وہ بادل نہیں ملا ۱۴

یہاں ''پیاسی زمیں'' اور ''بادل'' دونوں الفاظ اپنے اصل معنوں میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ علامتی اور

استعاراتی انداز میں ایک گہری داخلی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ''پیاسی زمیں'' ایک استعارہ ہے، جو شاعرہ کے دل، جذبات یا زندگی کی بنجر حالت کی نمائندگی کرتا ہے، جو عرصے سے کسی سیرابی، محبت یا رحمت کے انتظار میں ہے۔ اسی طرح ''بادل'' کو صرف پانی برسانے والے قدرتی عنصر کے طور پر نہیں بلکہ ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو کسی محبوب، امید، سکون یا خوشی کی واپسی کا نشان ہے۔ شاعرہ نے قدرتی مناظر کے ذریعے انسانی جذبات کی عکاسی کی ہے، اور علامتوں کے ذریعے زندگی کی محرومی اور انتظار کے کرب کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ شعر خارجی منظر کو داخلی احساس سے جوڑ کر ایک ایسا استعاراتی فضا پیدا کرتا ہے جو قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

؎ روشن ہوا نہ دل کا یہ کمرہ ذرا سا بھی

حسرت کے جتنے دیپ جلائے تمام شب ۱۵؎

اس شعر میں ''دل کا کمرہ'' دراصل ایک استعارہ ہے، جو دل کی داخلی کیفیت، تنہائی یا تاریکی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں ''کمرہ'' دل کی ایسی حالت کی علامت ہے جو روشنی، امید یا سکون سے خالی ہے۔ اسی طرح ''دیپ جلانا'' ایک علامتی اظہار ہے، جو کوشش، خواہش، امید یا جذباتی تگ و دو کو ظاہر کرتا ہے۔ ''حسرت کے دیپ'' جلانے سے مراد وہ تمام آرزوئیں اور کوششیں ہیں جو دل کی اداسی یا تاریکی کو ختم کرنے کے لیے کی گئیں، مگر وہ سب ناکام رہیں۔ شاعرہ نے دل کی گہرائیوں میں چھپی مایوسی اور ناامیدی کو نہایت موثر استعاراتی اور علامتی انداز میں بیان کیا ہے، جو اس شعر کو نہ صرف جمالیاتی طور پر خوبصورت بناتا ہے بلکہ قاری کو ایک گہرے داخلی تجربے سے روشناس بھی کراتا ہے۔

اثر انگیزی:

اثر انگیزی شاعری کی وہ خوبی ہے جو سامع یا قاری کے دل میں براہِ راست اترتی ہے۔ یہ تاثیر اُس وقت جنم لیتی ہے جب شاعر کے جذبات سچے، گہرے اور دل سے نکلے ہوئے ہوں۔ دکھ، خوشی، عشق یا غم جب بھی انہیں سچے لہجے میں بیان کیا جائے تو ان میں تصنع کی گنجائش نہیں رہتی۔ دل کی بات سیدھی اور بے ساختہ ہوتی ہے؛ نہ وہ مشکل الفاظ کی محتاج ہوتی ہے، نہ بناوٹی سجاوٹ کی۔ یہی سچائی، یہی سادگی، اشعار کو اثر انگیز بنا دیتی ہے۔ فرح ملک کی شاعری اسی وصف کی حامل ہے۔ ان کے ہاں نہ تو ضرورت سے زیادہ مشکل الفاظ کا استعمال ہے، نہ مبالغہ آرائی یا فنی تصنع۔ ان کی شاعری کا یہی خلوص اور سادگی قاری و سامع کے دل پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور ان کے اشعار دیر تک یاد رہتے ہیں۔ فرح ملک کے ہاں اثر انگیزی کی خوبی کے متعلق نعیم فاطمہ علوی کی رائے دیکھیے:

''فرح کے بے شمار اشعار ایسے ہیں جو اثر انگیزی میں حیرت ناک تاثیر رکھتے ہیں'' ۱۶؎

فرح ملک کی شاعری کا یہی اسلوبیاتی عنصر اشعار کو یادگار اور پُراثر بنا دیتا ہے۔ ذیل میں پیش کیے گئے اشعار اسی اسلوبیاتی اثر انگیزی کی جھلک پیش کرتے ہیں:

تجھ پر وار ہوا ہے کیسے
آنکھ ہے میری تیر نہیں ہے ۱۷؎

ہر اک خواہش کب پوری ہو سکتی ہے
دل بے چارے کو سمجھانا پڑتا ہے ۱۸؎

کل پریشان تھی آج حیران ہوں
زندگی ایک دم یوں بدلنے لگی ۱۹؎

سادگی وسلاست:

فرح ملک کا اسلوبِ بیان اردو شاعری میں ایک نرمی، سادگی اور وقار کا دلکش امتزاج پیش کرتا ہے۔ ان کے لہجے کی شائستگی اور تخاطب کی نرمی قاری کے دل میں ایک خاص اثر چھوڑتی ہے، جو نہ صرف ان کے وقار کی آئینہ دار ہے بلکہ ان کی نسوانی لطافت کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی اور روانی کے ساتھ حسنِ تخیل کا امتزاج ایسا دلنشین رنگ پیدا کرتا ہے کہ قاری بے ساختہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی خوبیاں ان کے کلام کو ایک منفرد اور دل پذیر انداز عطا کرتی ہیں۔ فرح ملک کے ہاں سلاست، سادگی اور روانی سے متعلق شازیہ رباب کی رائے دیکھیے:

> ''قاری پر ان کا منفرد لہجہ، شائستگی اور نرمی نہایت عمدہ اثر چھوڑتے ہیں۔ دھیما پن جہاں ان کے وقار میں اضافہ کرتا ہے وہیں نسائیت کا آئینہ دار بھی ہے۔ حسن تخیل اور بیان کی سلاست، سادگی اور روانی ان کے کلام میں دلکشی کا باعث ہے۔'' ۲۰؎

فرح ملک کی شاعری میں ایک گہری اور پراثر نسائی آواز واضح طور پر سنائی دیتی ہے، جو صرف نسوانی جذبات کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ ایک باشعور، باوقار اور خود آگاہ عورت کے داخلی تجربات اور خارجی مشاہدات کو بھی بیان کرتی ہے۔ ان کے اشعار میں عورت کسی مظلوم یا بے آواز کردار کے طور پر نہیں، بلکہ ایک صاحبِ شعور، جذبات رکھنے والی، فیصلے کرنے والی اور ردِعمل دکھانے والی مکمل شخصیت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ محبت، رشتہ، دکھ، خودداری، دھوکہ اور سماجی رویے یہ سب موضوعات ان کی نسائی صداقت کے ساتھ یوں جُڑے ہوتے ہیں کہ قاری کو

عورت کی وہ سچائی سنائی دیتی ہے جو عام طور پر دبی رہ جاتی ہے۔ ذیل کے اشعار اسی مضبوط، حساس اور فکری نسائی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں:

اب نہیں مانوں گی، فیصلہ تھا مگر
سامنے دیکھا رائے بدلنے لگی ۲۱

جب بھی پوچھا کون سی مشکل میں ہو
ٹھیک ہوں، بولا وہ بے کل کی طرح ۲۲

مری حسرت مکمل ہو گئی اس نے
مجھے پازیب پہنائی تو دل دھڑکا ۲۳

میں بہت پہلے ہی واقف تھی ترے عیبوں سے
دیر سے آئے بتانے یہ زمانے والے ۲۴

پھر بھی ناکام رہی ہوں چاہے دنیا چھانی میں نے
ہر اک گام ملے ہیں مجھ کو نیت کے سب کھوٹے لوگ ۲۵

موضوعاتی وحدت:

روایتی غزل میں اکثر ہر شعر کا مضمون جداگانہ ہوتا ہے، مگر جدید غزل یا بعض خاص غزلوں میں شاعر ایک ہی موضوع جیسے محبت، ہجر، تنہائی، احتجاج، یاد، وقت کو مختلف اشعار میں مختلف انداز سے بیان کرتا ہے، جس سے پوری غزل میں ایک تسلسل اور ربط قائم رہتا ہے۔ یہی تسلسل موضوعاتی وحدت کہلاتا ہے۔ فرح ملک کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کی غزلیں مسلسل نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ان کی ایک مسلسل غزل میں محبوب کو براہِ راست مخاطب کر کے شکوہ و شکایت کا انداز نہایت مؤثر اور دلنشین نظر آتا ہے۔ غزل کے اشعار ملاحظہ کیجئے:

یہ محفل تو تمھاری تھی رقیبوں کو بلایا کیوں
خوشی کیا تم کو ملتی ہے ہمیں کو ہی ستایا کیوں ۲۶

؎ مقابل آ کے بیٹھے ہو نظر پھر کیوں چراتے ہو
ملائی تھی نظر اک بار دل کو پھر چرایا کیوں ۲۷؎

؎ ترے آباد رہنے کی دعا دل سے نکلتی ہے
عدو کے پاس جانا تھا تو یاں دل کو لگایا کیوں ۲۸؎

فرح ملک کی غزل گوئی کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ ان کی متعدد غزلیں مسلسل موضوعاتی وحدت کی حامل ہوتی ہیں۔ وہ کسی ایک جذبے یا خیال کو پوری غزل میں اس خوبی سے برتتی ہیں کہ ہر شعر اسی مرکزی خیال کا عکس بن جاتا ہے۔ زیرِ مطالعہ مجموعے میں شامل ایک نمائندہ غزل کے تمام اشعار میں ناپائیداری کا احساس نہایت باریکی سے ابھرتا ہے، جو زندگی کی بے ثباتی کا بھرپور تاثر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور غزل میں ''بیٹی'' جیسے حساس موضوع کو مسلسل طور پر برتا گیا ہے، جب کہ ایک تیسری غزل میں محبت سے پیدا ہونے والے خوف کو مستقل مرکزی خیال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان غزلوں سے دو دو اشعار بطور حوالہ پیش کیے جا رہے ہیں:

؎ یہ جسم جیون کے آستاں میں نہیں رہیں گے
سو ہم بھی اک دن ترے جہاں میں نہیں رہیں گے ۲۹؎

؎ یہ لمحہ لمحہ جو چل رہے ہیں دلیر بن کر
یہ تیر سانسوں کے اب کماں میں نہیں رہیں گے ۳۰؎

؎ مجھے ننگے پاؤں بھٹکنے نہ دیتا
یا قدموں میں میرے تُو جنت نہ رکھتا ۳۱؎

؎ مرے ہاتھ میں وہ قلم سونپ دیتا
تو جس سے ہے تقدیر بیٹی کی لکھتا ۳۲؎

؎ نئے رشتے بنانے میں مجھے اب خوف آتا ہے
کہیں بھی دل لگانے سے مجھے اب خوف آتا ہے ۳۳؎

؎ چبھی ہیں کرچیاں ایسی مری آنکھوں میں خوابوں کی
نئے سپنے سجانے میں مجھے اب خوف آتا ہے ۳۴؎

جدت اور ندرتِ بیان:

فرح ملک کی شاعری میں تازگی، جدت اور ندرتِ خیال کا ایک دلنشین امتزاج نظر آتا ہے، جو ان کے فن کو ایک منفرد پہچان عطا کرتا ہے۔ وہ الفاظ کے انتخاب میں سادگی اور مانوسیت کو ترجیح دیتی ہیں، جس کے باعث ان کا کلام قاری کے دل سے براہِ راست ہم کلام ہوتا ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف عام انسانی جذبات اور فطری احساسات کی ترجمان ہے، بلکہ اس میں تخیلی فضا کی ترتیب بھی ایسی سلیقے سے کی گئی ہوتی ہے کہ ہر مصرعہ قاری کو ایک نئی طراوت اور تخلیقی لطف سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہی عناصر ان کے اسلوب میں ایک فکری تازگی اور فنّی ندرت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں فکری تازگی کی کیفیت سے متعلق شازیہ رباب کی رائے دیکھیے:

> ''ان کی شاعری الفاظ و معانی دونوں اعتبار سے فطرت یا دوسرے لفظوں میں عام انسانی عادات سے پوری طرح مطابقت اور ہم آہنگی رکھتی ہے۔ غیر مانوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتی ہیں۔ تازگی ان کے کلام کا نمایاں وصف ہے۔ تخیلاتی فضا کی ترتیب ایسی عمدگی سے یکجا کرتی ہیں کہ داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔'' ۳۵؎

فرح ملک کی شاعری میں موجود ندرتِ خیال اور فکری تازگی کی خوبی ان کے کلام کو دیگر معاصر شعرا سے ممتاز بناتی ہے۔ ان کے اشعار میں روایت سے ہٹ کر نئے زاویے، منفرد تعبیرات، اور گہرے فکری پہلو دکھائی دیتے ہیں۔ وہ عام موضوعات کو بھی غیر روایتی انداز میں برتتی ہیں، جہاں قاری کو ہر شعر میں ایک تازہ احساس، نیا سوال یا چونکا دینے والی بصیرت ملتی ہے۔ محبت، وفا، اور تعلق جیسے روایتی موضوعات کو وہ محض جذباتی انداز میں نہیں، بلکہ فکر انگیز اور معنی خیز انداز میں بیان کرتی ہیں۔ ذیل میں دیے گئے اشعار اسی فکری تازگی اور تخلیقی ندرت کی خوبصورت مثال ہیں:

؎ نادان حسن عشق کے گُر جانتا نہ تھا
رسمِ وفا کو اس نے بہت سرسری لیا ۳۶؎

؎ تم رہو دل میں ہمیشہ کے لیے
کس لیے آئے ہو اک پل کی طرح ۳۷؎

موسیقیت:

فرح ملک ان شعرا میں سے ہیں جو شاعری کو محض جذبات کی ترجمانی نہیں، بلکہ ایک سنجیدہ اور مکمل فن سمجھتی ہیں۔ ان کے کلام میں فنی لوازمات، جیسے بحور و اوزان کی درستگی، الفاظ کا چناؤ، اور زبان کی صفائی و شستگی، نہایت اہتمام کے ساتھ نبھائے گئے ہیں۔ وہ ہر شعر کو تخلیق کرنے سے پہلے اس بات کا یقین حاصل کرتی ہیں کہ وہ فنی اعتبار سے ہر قسم کے سقم سے پاک ہو۔ یہی اعتماد ان کے شعری اظہار کو وقار اور استحکام عطا کرتا ہے اور انہیں اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ ان کی یہ فنی خودآگہی اور ذمہ داری، ان کے اسلوب کو نکھارنے اور سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ فرح ملک شاعری میں فنی لوازمات کے مکمل ہونے کو بہت اہم سمجھتی ہیں۔ اس بات اظہار وہ ان لفاظ میں کرتی ہیں:

> ''شاعری میں بہت سے لوازمات پورے کر کے شعر کو ڈھالا جاتا ہے جیسے بحور، اوزان، الفاظ کا ہر سقم سے مبرا ہونے کا یقین ہی اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی ہمت عطا کرتا ہے۔'' ۳۸؎

فرح ملک اپنی غزلوں میں روانی اور موسیقیت پیدا کرنے کے لیے نہایت شعوری انداز میں مترنم اور رواں بحور کا انتخاب کرتی ہیں۔ وہ نہ صرف بحور کے انتخاب میں نغمگی اور روانی کو پیشِ نظر رکھتی ہیں بلکہ قافیہ و ردیف کی ترتیب میں بھی ایسی ہم آہنگی پیدا کرتی ہیں جو اشعار کو مزید دلکش اور خوش آہنگ بنا دیتی ہے۔ ان کے ہاں قافیہ و ردیف کا استعمال محض تکنیکی ضرورت نہیں بلکہ صوتی حسن اور شعری بہاؤ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ذیل میں اس کی مثال کے طور پر چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں:

بہانہ کیسے کر دوں اس بھلی معصوم لڑکی سے
حقیقت تلخ ہے مجھ کو چھپانی ہی نہیں آتی ۳۹؎

گزر ہو گر گلی میں اس کے تیرا
تو ہر عاشق پھڑکتا واں ملے گا ۴۰؎

تمثال نگاری:

شاعری میں الفاظ محض خیالات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں ہوتے، بلکہ یہ محسوسات، تجربات اور مشاہدات کو تصویری شکل میں پیش کرنے کا فن بھی رکھتے ہیں۔ جب شاعر اپنے مشاہدے یا جذبات کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ قاری یا سامع نہ صرف اُسے سمجھتا ہے بلکہ ذہنی طور پر اُس منظر کو محسوس بھی کرتا ہے، تو یہ عمل تمثال نگاری کہلاتا ہے۔ اس فنی تکنیک کے ذریعے شاعر قاری کے تخیل کو متحرک کرتا ہے اور الفاظ کے ذریعے تصویری پیکر تراشتا ہے۔ اس حوالے سے ہادی حسین تمثال نگاری کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''شاعرانہ تمثال ایک لفظی تصویر ہوتی ہے جس پر جذبات یا امیال کا رنگ چڑھا ہوتا ہے۔''۴۱؎

فرح ملک کی شاعری میں تمثال نگاری ایک نمایاں اور مؤثر اسلوبیاتی عنصر کے طور پر ابھرتی ہے۔ ان کی تخلیقات میں تمثیلات نہ صرف جذبات و احساسات کی عکاسی کرتی ہیں بلکہ قاری کو ایک بصری تجربہ بھی فراہم کرتی ہیں۔ وہ اپنے تخیلات کو حسین اور معنی خیز تصویروں کی صورت میں ڈھالتی ہیں، جن سے نہ صرف داخلی کیفیات کا اظہار ہوتا ہے بلکہ خارجی ماحول کے مناظر بھی معنوی جہت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں تمثالیں محض جمالیاتی حسن کے لیے نہیں بلکہ کسی گہرے دکھ، یاد، ہجر یا تنہائی کی علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ ذیل کے اشعار اس پہلو کی عمدہ مثال ہیں، جہاں ہر تمثیل کسی نہ کسی داخلی کرب یا جذباتی کیفیت کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اشعار دیکھئے:

؎ چڑھی جاتی ہے مرضی سے یہ گھر کی بالکونی پر
کبھی فرصت میں آ جاؤ تماشے بیل کے دیکھیں ۴۲؎

؎ ہر شب نیند کو آوازیں میں دیتی ہوں
آنکھوں کو جب خواب دکھانا پڑتا ہے ۴۳؎

؎ شام تو ہے دسمبر سے لپٹی ہوئی
میں تری یاد میں کیوں پگھلنے لگی ۴۴؎

؎ ہجر بُنتی وہ مکڑیاں تھیں سب
تم نے سمجھا کہ تتلیاں تھیں سب ۴۵؎

؎دکھوں کی رات ہو گی گہری کالی
دھواں ہر سُو گزرتا واں ملے گا ۴۶؎

نظمیں:

فرح ملک کی نظموں میں صرف موضوعاتی تنوع ہی نہیں، بلکہ ہیئتی اعتبار سے بھی ایک خوشگوار تنوع نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ان کے ہاں نظموں کی ساخت مختلف شعری اسالیب کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے، جن میں پابند نظم، معریٰ نظم اور آزاد نظم تینوں شامل ہیں۔ اگرچہ انہوں نے پابند اور آزاد نظموں میں بھی کامیاب طبع آزمائی کی ہے، تاہم ان کے شعری مجموعوں کا مطالعہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ تخلیقی اظہار معریٰ نظم کی صورت میں کیا ہے۔ ان کی بیشتر نظمیں وزن کی پابندی کے ساتھ لکھی گئی ہیں، لیکن قافیہ اور ردیف کی قیود سے آزاد ہیں، جو ان کے اسلوب کو زیادہ فکری وسعت اور اظہار کی آزادی عطا کرتی ہیں۔ جیسا کہ ایک نقاد نے معریٰ نظم کی تعریف یوں بیان کی ہے:

> ''معریٰ نظم میں بحر اور وزن کی پابندی کی جاتی ہے مگر قافیہ ضروری نہیں سمجھا جاتا'' ۴۷؎

فرح ملک کی معریٰ نظموں میں تکنیکی آزادی کے باعث فکری روانی اور تخلیقی اظہار کی جو کیفیت جنم لیتی ہے، وہ نہ صرف ان کے منفرد لہجے اور داخلی شعور کو نمایاں کرتی ہے بلکہ نظم کی ساخت میں ایک واضح ربط اور اکائی بھی پیدا کرتی ہے۔ ان کی نظموں میں موضوعاتی وحدت کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی تخلیقات میں جذبات و خیالات کو نہایت منظم طریقے سے پیش کرتی ہیں، جو غزل کے مقابلے میں کہیں زیادہ مکمل اور مربوط محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظمیں نہ صرف فنی معیار پر پورا اترتی ہیں بلکہ اسلوبیاتی اعتبار سے بھی ایک مکمل اکائی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ریاض احمد بھی جدید نظم کی اسی خوبی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جدید نظم خواہ مختصر ہو یا طویل، ایک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔'' ۴۸؎

نظم میں استعارہ ایک ایسا تخلیقی وسیلہ ہے جو خیالات اور جذبات کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے انہیں علامتی اور مجازی انداز میں پیش کرتا ہے۔ استعارہ نظم کو نہ صرف حسنِ بیان عطا کرتا ہے بلکہ قاری کو مفہوم کی تہہ در تہہ پرتوں میں جھانکنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ خاص طور پر رومانوی شاعری میں استعارے کا استعمال جذبات کی شدت اور پیچیدگی کو زیادہ گہرائی اور تاثیر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ فرح ملک کی نظموں میں بھی رومانوی احساسات کو پیش

کرنے کے لیے استعاروں اور علامتوں کا مؤثر استعمال ملتا ہے۔ وہ محبوب سے محبت، فراق اور وصل کے معاملات کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے ایک ایسی استعاراتی زبان اختیار کرتی ہیں جو نہ صرف نظم کو جمالیاتی وقار عطا کرتی ہے بلکہ اس کے فکری و جذباتی پہلو کو بھی اُجاگر کرتی ہے۔

فرح ملک کی نظموں میں جذبے کی شدت اور احساس کی لطافت کو علامتی اور استعاراتی زبان میں پیش کرنے کا سلیقہ بخوبی نظر آتا ہے۔ وہ مجرد خیالات اور نادیدہ کیفیات کو ایسی شعری صورت عطا کرتی ہیں جو قاری کے دل و دماغ پر دیرپا اثر چھوڑتی ہے۔ ان کی نظم ''بادِ صبا'' اس بات کی عمدہ مثال ہے، جس میں استعارہ اور علامت کا باریک اور مؤثر استعمال ملتا ہے۔ بادِ صبا مشرقی شاعری میں عموماً محبوب کے پیغام رساں یا اس کی خوشبو لانے والی ہوا کی علامت ہوتی ہے۔ شاعرہ نے علامتی انداز میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ محبوب نے کبھی پائل نہیں پہنائی، پھر بھی دل میں اس کی موجودگی کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اس طرح وہ ایک لطیف اور پراثر طریقے سے یہ بات کہتی ہیں کہ محبت صرف جسمانی موجودگی کی محتاج نہیں ہوتی، بلکہ جب دل سچا عاشق ہو تو وہ غیر محسوس جذبات اور یادوں کو بھی سننے اور محسوس کرنے لگتا ہے۔

بتا بادِ صبا مجھ کو
مرے ان پاؤں میں تم نے
کبھی پائل نہیں باندھی
تو پھر دل کی سماعت میں
یہ چھن چھن کی صدا کیسی ۴۹؎

فرح ملک کی شاعری میں یاد ایک بار بار اُبھرنے والا جذبہ ہے، جو صرف ماضی کا منظر نہیں بلکہ ایک زندہ، محسوس ہونے والا تجربہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کی نظم ''بہار'' میں یاد کو ایک جذباتی کیفیت کی بنیاد بنایا گیا ہے اور اس کے اظہار کے لیے انہوں نے استعاراتی زبان کا سہارا لیا ہے۔ شاعرہ یاد کو محض خیال یا سوچ کے طور پر نہیں برتتیں، بلکہ اسے حسین موسم، خوشبو، وادی اور بہاؤ جیسے استعاروں میں ڈھال کر ایک ایسا منظر تخلیق کرتی ہیں جو قاری کے احساسات کو چھو لیتا ہے۔ یہ استعارے نظم کو نہ صرف حسن عطا کرتے ہیں بلکہ اس کے جذباتی اور معنوی اثر کو بھی گہرا کر دیتے ہیں۔

جب بہار آتی ہے
دل میں ٹیس اٹھتی ہے

یاد کے دریچے میں
اس کی یاد آتی ہے
اک حسین وادی ہے
ڈوبتی ابھرتی ہوں
اس کے ساتھ چلتی ہوں ۵۰؎

فرح ملک کی نظم ''ٹوٹیاں کرچیاں'' استعارہ نگاری کا ایک خوبصورت اور مؤثر نمونہ ہے۔ اس نظم میں شاعرہ نے دل کے ٹوٹنے کے کرب کو بیان کرنے کے لیے کرچیوں کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ دکھ، بکھراؤ اور صدمے کی کیفیت کو شیشہ ٹوٹنے کی تصویری علامت میں پیش کرتی ہیں۔ ان کا نسائی لہجہ نہایت سادہ مگر گہرے اثرات کا حامل ہے، جس میں وہ یہ پیغام دیتی ہیں کہ جب دل ٹوٹ جائے تو اس کی کرچیاں چننا ایک مشکل اور تکلیف دہ عمل بن جاتا ہے۔ لہٰذا وہ قاری کو تلقین کرتی ہیں کہ بکھرے دل کو جوڑنے کی اذیت میں اُلجھنے کے بجائے، نئے حوصلے سے آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے۔ اس طرح فرح ملک نہ صرف ایک جذباتی لمحے کو شاعرانہ انداز میں بیان کرتی ہیں، بلکہ اس میں عملی دانش، خودداری اور جذباتی ارتقاء کا درس بھی چھپا ہوتا ہے۔

خواب ٹوٹ جانے سے
دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں
رنگ سب بکھرتے ہیں
ٹوٹی کرچیاں چننا
تم سے جاں نہیں ہوگا ۵۱؎

نظم ''ماں'' میں فرح ملک نے اپنی جذباتی وابستگی اور والہانہ محبت کا اظہار نہایت پُراثر انداز میں کیا ہے۔ یہ نظم صرف ایک ذاتی دکھ کی روداد نہیں بلکہ ہر اُس دل کی ترجمانی ہے جس نے ماں کی شفقت سے محرومی کا کرب جھیلا ہو۔ فرح ملک نے اس کرب کو بیان کرنے کے لیے علامتوں اور استعاروں کا سہارا لیا ہے، جن میں سب سے خوب صورت اور معنی خیز استعارہ ''خوشی کے چاند'' کا ہے۔ یہ چاند ان کی زندگی میں ماں کی موجودگی کو ظاہر کرتا ہے، اور جب یہ چاند ڈوبتا ہے تو ان کے دل کی دنیا میں تاریکی چھا جاتی ہے۔ یہ استعارہ نہ صرف ماں کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ اس کے فراق سے پیدا ہونے والے خلا اور غم کی شدت کو بھی دل نشیں انداز میں بیان کرتا ہے۔

جدا جب سے ہوئی ہو تم
مقدر ہے خفا مجھ سے
خوشی کا چاند یوں ڈوبا
کہ اب تک ہے جدا مجھ سے
سوا تیرے اندھیرا ہے
مجھے پل پل رُلاتی ہو
مجھے ماں یاد آتی ہو ۵۲؎

تکرارِلفظی:

فرح ملک کی شاعری میں اسلوبیاتی حسن کی کئی جہتیں نمایاں ہیں، جن میں تکرارِلفظی ایک نمایاں اور پُر اثر اسلوبیاتی خوبی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ اپنے جذبات، کیفیات اور خیالات کو گہرائی اور شدت کے ساتھ قاری تک منتقل کرنے کے لیے بعض الفاظ یا فقروں کو بار بار دہراتی ہیں۔ یہ تکرار نہ صرف لفظی حسن کو ابھارتی ہے بلکہ جذبات کی شدت، دکھ کی گہرائی یا امید کے تسلسل کو بھی مؤثر انداز میں پیش کرتی ہے۔ فرح ملک کی یہ فنی تکنیک قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور کلام میں ایک مخصوص ترنم، روانی اور تاثیر پیدا کرتی ہے جو ان کی شاعری کو انفرادیت عطا کرتی ہے۔ فرح ملک کی نظموں میں تکرارِلفظی کے چند خوب صورت نمونے درج ذیل ہیں۔

ع ہے جب تک دم میں دم اپنے ۵۳؎

ع یہ چھن چھن کی صدا کیسی ۵۴؎

ع امیر حاکم امیر تر ہو ۵۵؎

جدیدیت اور مابعد جدیدیت:

فرح ملک کی نظموں کا ایک نمایاں پہلو جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے تناظر میں غیر مرئی مسائل کا اظہار ہے۔ وہ اپنی شاعری میں ان داخلی کیفیات، روحانی کشمکشوں اور اخلاقی تضادات کو نہایت لطیف انداز میں پیش کرتی ہیں جو بظاہر دکھائی نہیں دیتے، مگر انسان کے باطن میں گہری جڑیں رکھتے ہیں۔ ان کی نظموں میں سچائی، ہمدردی، احساسِ جرم، اور روحانی رجوع جیسے موضوعات بار بار سامنے آتے ہیں، جو نہ صرف فرد کی داخلی دنیا کو عیاں کرتے ہیں

بلکہ عہدِ جدید و مابعد جدید کے فکری مباحث سے ہم آہنگ بھی ہیں۔ ذیل کے اشعار اسی فکری رویے کی ایک خوبصورت مثال ہیں، جہاں سادہ لفظوں میں گہری معنویت پوشیدہ ہے۔

کسی دُکھتے ہوئے دل کو
محبت کی دوا دینا
کسی کا راز مل جائے
لبوں کو اپنے سی لینا
ہمیشہ سچ کی رہ پہ چل کے بچوں کو سکھانا بھی
کبھی جو سچ کا دامن چھوٹ جائے تو
خدا کے روبرو جھکنا ۵۶؎

فرح ملک کی ایک اور نظم ''ماں'' میں یاد، احساس اور جذباتی وابستگی جیسے غیر مرئی موضوعات کو نہایت سادگی سے بیان کیا گیا ہے۔ ماں کی یاد کے حوالے سے درج ذیل اشعار میں وہ داخلی کرب اور روحانی تعلق کو اس انداز میں پیش کرتی ہیں کہ قاری خود کو ان جذبات کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔

مجھے ماں یاد آتی ہو
اگر میں خواب میں دیکھوں
کھلی آنکھوں سے دیکھوں گر
نظر بس تم ہی آتی ہو
مجھے ماں یاد آتی ہو ۵۷؎

نسائی لہجہ:

فرح ملک کی نظموں میں نسائی لہجہ ایک نمایاں اور موٴثر اسلوبیاتی پہلو کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کی شاعری میں عورت کی حساس طبیعت، جذباتی گہرائی، اور رشتوں سے جڑی نزاکت کو نہایت لطیف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ماں، بیٹی، محبوبہ یا محض ایک عورت کی حیثیت سے وہ اپنے تجربات، احساسات اور دکھ درد کو اس انداز سے بیان کرتی ہیں کہ ہر لفظ میں نرمی، اپنائیت اور جذبات کی شدت محسوس ہوتی ہے۔ ان کا نسائی لہجہ نہ صرف انفرادیت عطا کرتا ہے بلکہ قاری کو عورت کی داخلی دنیا سے جوڑ دیتا ہے، جہاں محبت، قربانی، یاد، خاموشی اور خواب جیسے غیر مرئی

موضوعات بڑی سادگی سے اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ نظم ''اپنے بیٹوں کے نام'' میں فرح ملک ایک ماں کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور انتہائی محبت، اپنائیت اور دردمندی کے ساتھ اپنے بیٹوں کی سلامتی، کامیابی اور خوشیوں کے لیے دُعائیں مانگتی نظر آتی ہیں۔

مرے مولا! میں اک ماں ہوں
مری یہ التجا سن لے
زمانے کی مصیبت سے
مرے بچے بچا لینا ۵۸؎

فرح ملک کی نظم ''بھائی کے نام'' میں ایک بہن کی نرم دلی، جذباتی وابستگی اور بچپن کی یادوں سے گہرا رشتہ ابھرتا ہے۔ یہ نظم صرف ایک بہن کا بھائی کے لیے محبت بھرا پیغام نہیں بلکہ بچپن کی ان حسین یادوں کا نوحہ بھی ہے، جنہیں وقت کی گرد نے دھندلا دیا ہے۔ وہ بہن، جو کبھی ماں کی گود میں بھائی کے ساتھ کھیلتی، ہنستی اور لڑتی تھی، اب انہی لمحوں کو واپس لانے کی التجا کرتی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بچپن پھر سے جینا چاہتی ہوں، جیسے وقت کو آواز دے رہی ہو کہ پلٹ آئے۔

تمھیں سب یاد تو ہو گا
وہ بچپن کے حسیں لمحے
وہ ماں کی گود تھی پیاری
وہ مل کر کھیلنا، پڑھنا
مرا یہ کام کر دو نا!
مرے بھائی! وہ لا دو نا! ۵۹؎

منفرد تراکیب:

فرح ملک کے شعری مجموعے ''نہیں رہیں گے'' میں زبان و بیان کی فنی مہارت بخوبی جھلکتی ہے۔ ان کی شاعری میں روایتی تراکیب کو نہ صرف برتا گیا ہے بلکہ انہیں نئے تناظر اور مفاہیم کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ قاری کو تازہ احساسات سے روشناس کراتی ہیں۔ یہی امتزاج ان کے کلام کو جدید لب و لہجے کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیبی جڑوں سے وابستہ بھی رکھتا ہے۔ فرح ملک کی شعری طرز میں لفظوں کی معنوی تہہ داری، احساس کی شدت

اور نسائی شعور کی جھلک، ان روایتی تراکیب کو بھی منفرد اور جدید رنگ عطا کرتی ہے۔ اس حوالے سے ان کے ہاں ربِ ازل، ربِ ابد، حدِ نظر، قیدِ بدن، محروم گُل، محرومئ گُل، بادِ صبا، ادائے دلبری، خلوصِ عشق، خلوصِ بندگی، درِ محبوب، حصولِ عشق، کوچۂ یار، پاسِ آداب، شعلۂ گفتار، ہجومِ دوستاں، نسلِ نو، شیوۂ ایمانداری، تخلیق نسلِ آدم اور سوزنِ خار جیسی تراکیب ملتی ہیں۔

فرح ملک کی شاعری میں تراکیب کا استعمال محض الفاظ کو جوڑنے کا عمل نہیں بلکہ ایک فنکارانہ مہارت کا اظہار ہے۔ وہ اپنے اشعار میں ایسے پُراثر اور بامعنی تراکیب تخلیق کرتی ہیں جو بظاہر سادہ الفاظ سے مل کر بنتی ہیں، لیکن اپنے اندر فکری تہہ داری، جذباتی شدت اور علامتی معنویت سموئے ہوتی ہیں۔ ان کی بعض نظموں میں تراکیب کی یہی بھرپور موجودگی، ان کے اسلوب کو نہ صرف منفرد بناتی ہے بلکہ قاری کو خیال کی نئی دنیاؤں کی سیر کراتی ہے۔ ذیل میں دیے گئے اشعار اسی فنی خوبی کی نمایاں مثالیں ہیں۔

کوچۂ یار میں جاؤں
تو بھلا کیسے جاؤں
پاسِ آداب نہیں
شعلۂ گفتار نہیں ۶۰؎

نظم ''عشق کی بندگی'' میں تراکیب کی بھرپور روانی اور فنکارانہ کثرت قابلِ توجہ ہے، جو اس نظم کو ایک گہرے فکری اور فنی تاثر سے ہمکنار کرتی ہے۔

ادائے دلبری بھی ہو
خلوصِ عشق کامل ہو
زمانہ بھی نہ حائل ہو
خلوصِ بندگی بھی ہو
تو پھر کیسا یہ شرمانا
تو پھر کیسا یہ اِترانا
درِ محبوب پہ جھک کر
حصولِ عشق کی خاطر
محبت کو اَمر کر دو ۶۱؎

اچھوتا پن:

فرح ملک کی نظموں میں ایک خاص بات جو فوراً قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، وہ ان کے اسلوب میں موجود تخلیقی ندرت اور فکری تازگی ہے۔ وہ روایتی موضوعات کو بھی ایسے نئے انداز میں پیش کرتی ہیں کہ بظاہر سادہ الفاظ میں گہرے مفاہیم چھپے ہوتے ہیں۔ ان کی نظموں میں فکری عناصر کو ایسے زاویوں سے چھوا گیا ہے جو قاری کے لیے غیر متوقع اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ یہی ان کا وہ اچھوتا پن ہے جو انہیں ہمعصر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ ذیل میں فرح ملک کی نظموں کے مصرعے دیکھیے:

ع عجب تنہائی کا رش ہے ۶۲؎

میں تو خوابوں میں بھی
سچ ڈھونڈنے چل پڑتی ہوں ۶۳؎

اک حسین سی وادی ہے
ڈوبتی ابھرتی ہوں ۶۴؎

سوچوں کے یہ محل منارے
ڈھ کر روگ لگاتے ہیں ۶۵؎

سوچیں بین کرتی ہیں
غم کا نوحہ لکھتی ہیں ۶۶؎

زیرِ مطالعہ باب میں ہم نے فرح ملک کے شعری مجموعے ''نہیں رہیں گے'' کا اسلوبیاتی جائزہ پیش کیا، جس میں ان کی غزلوں اور نظموں کو الگ الگ اسلوبیاتی زاویوں سے پرکھا گیا۔ اس جائزے میں فرح ملک کی شاعری میں موجود سادگی و اثر انگیزی، تشبیہ و استعارہ، نسائیت و غنائیت، موضوعاتی وحدت، جدت و ندرت، تکرارِ لفظی اور تمثال نگاری جیسے اہم فنی اور اسلوبی عناصر کا باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا۔ ان تمام پہلوؤں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فرح ملک کی شاعری نہ صرف فکری گہرائی کی حامل ہے بلکہ اسلوبیاتی سطح پر بھی ایک منفرد اور مکمل تخلیقی شعور کی آئینہ دار ہے۔ اب اس اسلوبیاتی تجزیے کی روشنی میں مجموعی تحقیقی کام کا تنقیدی محاکمہ پیش کیا جائے گا تاکہ اس مطالعے کے نتائج کو ایک جامع تناظر میں سمجھا جا سکے۔

حوالہ جات

۱۔فرح ملک،نہیں رہیں گے،سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء،ص ۵۹

۲۔ایضاً،ص ۵۹

۳۔ایضاً،ص ۸۵

۴۔ایضاً،ص ۳۰

۵۔ایضاً،ص ۲۹

۶۔ایضاً،ص ۴۵

۷۔ایضاً،ص ۵۱

۸۔ایضاً،ص ۷۹

۹۔انور جمال، پروفیسر،ادبی اصطلاحات،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد، ۲۰۱۲ء،ص ۱۸

۱۰۔فرح ملک،نہیں رہیں گے،سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء،ص ۳۰

۱۱۔ایضاً،ص ۴۴

۱۲۔ایضاً،ص ۴۳

۱۳۔ایضاً،ص ۶۶

۱۴۔ایضاً،ص ۸۱

۱۵۔ایضاً،ص ۸۳

۱۶۔ایضاً،ص ۱۶

۱۷۔ایضاً،ص ۵۶

۱۸۔ایضاً،ص ۶۳

۱۹۔ایضاً،ص ۶۹

۲۰۔ایضاً،ص ۱۸

۲۱۔ایضاً،ص ۶۹

۲۲۔ایضاً،ص ۵۹

۲۳۔ ایضاً، ص ۶۸

۲۴۔ ایضاً، ص ۴۷

۲۵۔ ایضاً، ص ۷۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۵۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۵۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۵۸

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۹

۳۱۔ ایضاً، ص ۹۵

۳۲۔ ایضاً، ص ۹۵

۳۳۔ ایضاً، ص ۵۳

۳۴۔ ایضاً، ص ۵۳

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۹

۳۶۔ ایضاً، ص ۴۵

۳۷۔ ایضاً، ص ۵۹

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۱

۳۹۔ ایضاً، ص ۶۱

۴۰۔ ایضاً، ص ۹۷

۴۱۔ ہادی حسین، مغربی شعریات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۴

۴۲۔ فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۴۳

۴۳۔ ایضاً، ص ۶۳

۴۴۔ ایضاً، ص ۷۰

۴۵۔ ایضاً، ص ۷۹

۴۶۔ ایضاً، ص ۹۸

۴۷۔ رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۰

۴۸۔ ریاض احمد، تنقیدی مسائل، استقلال پریس، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۱۴۴

۴۹۔ فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء، ص ۱۲۸

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۵۲۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۵۴۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۵۷

۵۶۔ ایضاً، ص ۱۳۷

۵۷۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۵۸۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۵۹۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۶۰۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۶۱۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۶۲۔ ایضاً، ص ۱۲۹

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۶۴۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۶۶۔ ایضاً، ص ۱۶۲

محاکمہ

ادب، بالخصوص شاعری، محض جذبات کا اظہار نہیں بلکہ ایک فکری و جمالیاتی کائنات کا تخلیقی اظہار یہ ہوتا ہے، جس میں شاعر یا شاعرہ کی داخلی کیفیات، خارجی مشاہدات، معاشرتی حساسیت اور فکری جہات یکجا ہو کر ایک منفرد لہجہ تشکیل دیتی ہیں۔ فرح ملک کا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' اسی تخلیقی سفر کا بیانیہ ہے، جس میں ان کی انفرادی فکر، نسائی شعور، اور زندگی سے وابستہ پیچیدہ تجربات شعری قالب میں ڈھل کر سامنے آتے ہیں۔ اس تحقیقی کاوش میں اب تک سوانحی، تعارفی، موضوعاتی اور اسلوبیاتی پہلوؤں کا تفصیل سے جائزہ لیا جا چکا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ان تمام زاویوں کو یکجا کر کے ایک تنقیدی نگاہ سے ان کے مجموعی شعری رجحانات، فکری پختگی، فنی امکانات اور ادبی مقام کا محاکمہ کیا جائے، تاکہ اس تخلیقی سفر کی معنویت کو مکمل طور پر سمجھا جا سکے۔

فرح ملک کا شمار اُن ممتاز شاعراؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو شاعری کو اپنے منفرد نسائی احساس، گہرے مشاہدات اور بے باک اظہار کے ذریعے ایک نیا فکری زاویہ عطا کیا ہے۔ ان کی شاعری صرف روایتی جذباتی وابستگی یا دکھ درد تک محدود نہیں بلکہ اس میں شعور، سوال، اور احتجاج کی وہ دھار نمایاں ہے جو ایک حساس اور باشعور تخلیق کار کی پہچان بنتی ہے۔ فرح ملک کو ادب کا ذوق محض اتفاقی طور پر نہیں ملا، بلکہ یہ وراثت میں ملا ہوا اثاثہ ہے۔ ان کے والد محترم، کرم شاہ علوی، خود ایک باوقار علم دوست شخصیت تھے، جن کے زیرِ سایہ ایک ایسا علمی و ادبی ماحول میسر آیا جس نے فرح ملک کی فکری اور تخلیقی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کیا۔

فرح ملک نے وزارتِ سائنس وٹیکنالوجی، اسلام آباد کے ایک اہم منصوبے ''انکم جنریٹنگ پراجیکٹ فار ویمن'' میں کام کرتے ہوئے نہ صرف خواتین کے مسائل کو قریب سے دیکھا بلکہ اپنے وطن کے مختلف علاقوں اور ثقافتی پہلوؤں کا مشاہدہ بھی کیا۔ اس ملازمت کے تجربات اور مشاہدات نے ان کی فکری اور تخلیقی بصیرت کو گہرا کیا، جو بعد ازاں اس وقت بہت کام آئے جب انہوں نے ریڈیو پروگرامنگ کے میدان میں قدم رکھا۔ ''آواز ایف ایم'' پر ان کا پروگرام ''یادوں کا سفر'' دراصل انہی مشاہدات کا نچوڑ تھا، جو سامعین میں بے حد مقبول ہوا۔ یہی پروگرام آگے چل کر ''یادوں کا سفر: پاکستان'' کے عنوان سے ایک ضخیم نثری کتاب کی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔ اس منفرد تخلیقی کاوش اور ریڈیو پروگرام کے ادبی معیار کو سراہتے ہوئے ''آواز ایف ایم'' نے فرح ملک کو ''بیسٹ ریڈیو پریزنٹر'' کے اعزاز سے نوازا، جو ان کی صلاحیتوں کا باوقار اعتراف تھا۔ ان کی اس کتاب کو بین الاقوامی سطح پر بھی پذیرائی حاصل ہوئی، جو ان کے فکری وژن اور تخلیقی قوت کا روشن ثبوت ہے۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''اک لمبی جدائی'' کے عنوان سے شائع ہوا، جس کے بعد دوسرا مجموعہ ''اجازت تم کو

دیتی ہوں''منظرِ عام پر آیا۔اس مجموعے کا عنوان ان کی ایک دل گرفتہ نظم سے ماخوذ ہے، جوانہوں نے کینسر جیسے جان لیوا مرض کے دوران اُس وقت لکھی جب اُنہیں محسوس ہوا کہ شاید زندگی کا آخری لمحہ قریب ہے۔ یہ نظم انہوں نے اپنے شریکِ حیات کے نام لکھی، جس میں فراق، محبت اور ناگہانی جدائی کا شدید احساس جھلکتا ہے۔ان تخلیقات کے تسلسل میں ان کا تیسرا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' سامنے آیا، جو اس وقت ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ یہ مجموعہ نہ صرف اُن کے فکری و تخلیقی ارتقاء کا عکس ہے بلکہ اُن کی شعری حس، نسائی شعور اور ادبی مزاج کو سمجھنے کے لیے ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

فرح ملک کے شعری مجموعے ''نہیں رہیں گے'' کا عنوان محض ایک فکری علامت نہیں، بلکہ اس مجموعے کی داخلی ساخت، فکری جہت اور تخلیقی کیفیت کا نچوڑ ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ عنوان شاعرہ کے ذہن میں سب سے پہلے آیا، جب کہ اسی ردیف پر مبنی غزل بعد ازاں تخلیق ہوئی۔اس غزل کے اشعار نہ صرف اس مجموعے کی فضا متعین کرتے ہیں بلکہ زندگی کی بے ثباتی، فنا پذیری اور انسانی وجود کی ناپائیداری کو شدت سے محسوس کرواتے ہیں۔ خاص طور پر ردیف ''نہیں رہیں گے'' ہر شعر میں ایک دردناک سچائی کو دہراتی ہے، وہ سچائی جو کینسر جیسے مہلک مرض سے نبرد آزما ایک حساس تخلیق کار نے اپنی ہڈیوں تک محسوس کی۔ یہ نام گویا زندگی کی تمام خوش فہمیوں، وابستگیوں اور دنیاوی ثبات کے دعووں پر ایک چیخ کی صورت میں ابھرتا ہے، جو اعلان کرتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دائم و قائم نہیں۔اس شعری مجموعے کا عنوان صرف ایک انتخاب نہیں، بلکہ خود شاعرہ کی زیست، تجربے اور شعور کا نچوڑ ہے، جو قاری کو لمحۂ موجود میں رک کر فنا کے انجام کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

فرح ملک کے شعری مجموعے ''نہیں رہیں گے'' کا مطالعہ اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ ان کی شاعری محض ذاتی جذبات و احساسات کی عکاسی نہیں بلکہ ایک وسیع تر فکری کینوس پر تخلیق ہوئی ہے، جس میں فنا پذیری، وقت کی بے ثباتی اور کائناتی سوالات مرکزی مقام رکھتے ہیں۔ان کی شعری کائنات میں آفاقی شعور کی جھلک نمایاں ہے، جہاں وجود، عمرِ رواں، زندگی اور موت جیسے ابدی موضوعات سے مکالمہ کیا گیا ہے۔ یہی خصوصیت ان کے شعری مزاج کو محض رومانوی یا جذباتی اظہار تک محدود نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے ایک فکری اور سنجیدہ جہت عطا کرتی ہے۔ان کے ہاں داخلی کرب اور فلسفیانہ ٹھہراؤ اس طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ ہر شعر قاری کو صرف متاثر نہیں کرتا بلکہ اسے فکر کے نئے دریچوں سے آشنا کرتا ہے۔اشعار کی تازگی اور تخلیقی انفرادیت اس بات کی دلیل ہے کہ شاعرہ نے تقلیدی سانچوں سے گریز کرتے ہوئے اپنی ذات کی سچائی اور تجربات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ان کی زبان و بیان میں وہ

حزن آمیز خوبصورتی ہے جو قاری کو محض جذباتی ردِعمل تک محدود نہیں رکھتی بلکہ اسے شعور کی سطح پر جھنجھوڑتی ہے۔ان کے کئی اشعار نہ صرف فنی جمالیات سے مزین ہیں بلکہ معنوی طور پر بھی چونکانے کی قوت رکھتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کتاب کا عنوان ''نہیں رہیں گے'' خود اپنی جگہ ایک فکری اعلان ہے۔ اس مجموعے کا مجموعی مزاج ایک ایسے باشعور تخلیق کار کا پتا دیتا ہے جو محض تخلیق کے لیے تخلیق پر یقین نہیں رکھتا، بلکہ قاری کی فکری تشکیل کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بناتا ہے۔

فرح ملک کے شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' کا مطالعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کی شاعری صرف ایک جذباتی یا فکری محور پر محدود نہیں بلکہ اس میں انسانی تجربات کی گوناگوں جہات شامل ہیں۔ وہ ایک حساس مشاہدہ رکھنے والی شاعرہ ہیں، جو اپنے اندر کی دنیا، خارجی ماحول، سماجی رویوں اور فطرت کے مظاہر کو بھرپور شدت اور فکری گہرائی کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ ان کے کلام میں محبت، جدائی، دعا، امید، مایوسی، معاشرتی دکھ، تنہائی اور فنا جیسے موضوعات کا متنوع اور ہمہ گیر اظہار ملتا ہے، جو ان کی شاعری کو محض جذباتی نہیں بلکہ فکری سطح پر بھی نمایاں بناتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری کا آغاز نعتیہ کلام سے ہونا ان کی روحانی وابستگی اور عقیدتِ رسول ﷺ کا مظہر ہے۔ ان کے شعری سفر کی بنیاد عشقِ مصطفیٰ ﷺ پر استوار ہے، جو ان کے فن کو تقدس عطا کرتا ہے۔ ان کا یہ یقین کہ اگر کلام میں مدحِ رسول ﷺ نہ ہو تو وہ شاعری ادھوری اور بے معنی ہے، اُن کے روحانی مزاج اور دینی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ ''نہیں رہیں گے'' جیسی شعری تصنیف کا نعت سے آغاز اسی عشقِ رسول ﷺ کا غماز ہے، جس کا اظہار نظم ''محبوب سے محبت'' میں بھی شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ واقعۂ معراج کے تناظر میں رسول کریم ﷺ کو ''وجہِ تخلیقِ کائنات'' قرار دینا شاعرہ کے فکری شعور اور نظریاتی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں محبت کے موضوع کی ایک اور پرت اُن کی وطن سے والہانہ وابستگی کی صورت میں نظر آتی ہے۔فرح ملک کے کلام میں وطن کی مٹی کی خوشبو، قربانی کا جذبہ، اور قومی سلامتی کے لیے سچے جذبات نمایاں ہیں۔ ان کی شاعری صرف جذباتی اظہار تک محدود نہیں، بلکہ ایک باشعور شہری کی حیثیت سے وہ قومی زوال، معاشرتی بے حسی، اور عدمِ استحکام پر فکری احتجاج بھی درج کرتی ہیں۔ یہ درد صرف بیان کی حد تک نہیں، بلکہ اصلاح اور بیداری کی دعوت میں ڈھل جاتا ہے۔ ان کی وطن دوستی اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے جب وہ روضہ رسول ﷺ پر بھی اپنے ملک کی سلامتی کے لیے دعا مانگنے کو حب الوطنی کی معراج سمجھتی ہیں۔ یہ پہلو شاعرہ کی داخلی پاکیزگی، قومی شعور اور فکری بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ یوں فرح ملک کا کلام محض شعری اظہار نہیں بلکہ ایک ایسی فکری و

روحانی کاوش ہے جو عشقِ رسول ﷺ سے لے کر وطن کی محبت تک، مختلف سطحوں پر قاری کو متاثر بھی کرتی ہے اور اسے جھنجھوڑتی بھی ہے۔

فرحؔ ملک کے ہاں ایک نمایاں اور اہم موضوع دعائیہ شاعری بھی ہے، جو ان کی روحانی حساسیت اور فکری وسعت کی مظہر ہے۔ ان کے ہاں دعا صرف ذاتی دکھ یا انفرادی تجربے کا اظہار نہیں بلکہ قومی اور اجتماعی مسائل کے شعوری ادراک کا عکاس بھی ہے۔ ''اے میرے مالک'' ردیف کی حامل غزل میں وہ وطن کی بربادی، اخلاقی زوال اور انسانی اقدار کے انحطاط پر دل گرفتہ ہو کر صدائے دعا بلند کرتی ہیں۔ یہ غزل ان کے خلوص، دردمندی اور قومی شعور کا نادر نمونہ ہے، جس میں وہ ربِ کائنات کے حضور عجز و انکسار سے قوم کی بہتری کے لیے التجا کرتی ہیں۔

فرحؔ ملک کی شاعری میں ہجر ایک محض جذبہ یا رومانوی تجربہ نہیں، بلکہ ایک فکری اور داخلی کیفیت کے طور پر ابھرتا ہے۔ ان کے کلام میں ہجر کا تصور صرف فراقِ محبوب تک محدود نہیں رہتا، بلکہ یہ انسانی احساسات کی پیچیدگی، وقت کی ناپائیداری اور یادوں کی بے چینی جیسے گہرے پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ شاعرہ نے ہجر کو محض جذباتی اظہار تک محدود رکھنے کے بجائے، اسے ایک فکری اور تخلیقی تجربہ بنا دیا ہے۔ ان کی شاعری میں تنہائی، انتظار، شکستہ وعدے اور بکھرتی زندگی کی تصویریں نہایت حسّاسیت سے ابھرتی ہیں، جو قاری کو صرف متاثر نہیں کرتیں بلکہ اس تجربے میں شامل بھی کر لیتی ہیں۔ یہ اندازِ بیان فرحؔ کی تخلیقی بصیرت اور جذباتی صداقت کی دلیل ہے، جو ہجر کو ایک ادبی موضوع سے بڑھا کر ایک فکری تجربہ بنا دیتا ہے۔ فرحؔ ملک کی شاعری میں ہجر کے موضوع کو علامتوں اور استعاروں کے ذریعے جو گہرائی عطا کی گئی ہے، وہ ان کے فکری کمال اور تخلیقی ہنر کا واضح ثبوت ہے۔ وہ ہجر کی کیفیت کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے اسے علامتی پیرایے میں یوں پیش کرتی ہیں کہ قاری ایک تہہ در تہہ احساس میں داخل ہو جاتا ہے۔ تنہائی کو وہ کبھی خالی کتاب سے تشبیہ دیتی ہیں، جو ماضی کی یادوں سے خالی ہو چکی ہو؛ کبھی شام کی پگھلتی روشنیوں میں گمشدہ لمحوں کی جھلک دکھاتی ہیں؛ اور کبھی خاموش راتوں کے ستاروں کو اپنا ہمراز بنا کر کربِ جدائی کی گواہی دیتی ہیں۔ ان علامتی اظہاروں نے نہ صرف ان کے کلام میں جمالیاتی لطافت پیدا کی ہے بلکہ ہجر کے تجربے کو ایک آفاقی اور فکری جہت بھی دی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فرحؔ کا ہجر صرف جذباتی ردِعمل نہیں، بلکہ ایک شعوری تخلیقی ردِعمل ہے جو اردو شاعری میں ایک منفرد صوتی و معنوی رنگ پیدا کرتا ہے۔

فرحؔ ملک کی غزل کا ایک اہم اور فکری پہلو اُن کا سماجی شعور ہے، جو اُن کی شاعری کو محض جذباتی یا روایتی اظہار سے بلند کر کے ایک فکری اور تنقیدی سطح عطا کرتا ہے۔ وہ صرف مشاہدہ کر کے خاموش نہیں رہتیں بلکہ مشاہدے کو

سوال میں ڈھال کر قاری کے ذہن کو جھنجھوڑتی ہیں۔ان کا اسلوب سوالیہ ہے، جو معاشرتی بے حسی، ریاکاری، جذباتی استحصال اور انسانی رویّوں کی کھوکھلی اقدار پر براہِ راست تنقید کرتا ہے۔ان کی شاعری میں اٹھنے والے سوالات محض شعری جمالیات نہیں بلکہ فکر کی چنگاریاں ہیں، جو قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ کیا ہم واقعی ایک سچے، مخلص اور بااصول معاشرے کا حصہ ہیں؟ فرحؔ کے اشعار میں ایک مخصوص معنوی گہرائی اور جذبے کی شدت ہے، جو عام بات کو بھی غیر معمولی تاثر عطا کرتی ہے۔ان کا طرزِ بیان نہ صرف پُراثر ہے بلکہ فطری طور پر ایسا ہے کہ الفاظ جذبے اور خیال کے ساتھ ایک خوبصورت توازن میں ڈھلتے ہیں۔ یہی اسلوب اُن کے کلام کو محض تخلیق نہیں، بلکہ شعور اور مزاحمت کا آئینہ بناتا ہے۔وہ منافقت، بے وفائی، اور نفرت جیسے منفی سماجی رجحانات پر صرف تنقید نہیں کرتیں بلکہ ان کے پس منظر کو بے نقاب کر کے ایک فکری مکالمہ قائم کرتی ہیں، جو اُن کی غزل کو گہرائی اور وسعت عطا کرتا ہے۔

فرحؔ ملک کی غزلوں میں درد و غم محض ایک جذبے کی صورت میں نہیں بلکہ ایک فکری تجربے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کے کلام میں غم کی شدت صرف ذاتی المیے تک محدود نہیں بلکہ یہ وسیع تر انسانی کرب، معاشرتی ناہمواریوں اور جذباتی شکست و ریخت کی نمائندگی کرتا ہے۔شاعرہ کی حساس طبع اور مشاہدے کی گہرائی اُنہیں ایک عام انسان کے دکھ سے جڑنے پر مجبور کرتی ہے، یوں اُن کی شاعری ذاتی احساس سے بلند ہو کر اجتماعی شعور کا روپ دھار لیتی ہے۔بچھڑنے کی تکلیف، رشتوں کا بکھر جانا، اور روحانی سطح پر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو وہ نہایت سچائی اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کرتی ہیں، جس سے ان کے فن کی فکری گہرائی اور تخلیقی سچائی واضح ہوتی ہے۔ یہ عناصر نہ صرف ان کی شاعری کو دل نشیں بناتے ہیں بلکہ اسے فکری سطح پر بھی ایک منفرد مقام عطا کرتے ہیں۔

فرحؔ ملک کی غزل گوئی میں رجائیت پسندی ایک بنیادی فکری رویّے کے طور پر نمایاں ہے، جو ان کی شاعری کو محض غم و اندوہ کی ترجمان نہیں رہنے دیتی بلکہ اُسے امید، حوصلے اور عزم کا پیکر بنا دیتی ہے۔ان کے کلام میں مایوسی کے سائے چھا بھی جائیں تو ان کے لہجے میں امید کی ایسی چمک ضرور ہوتی ہے جو قاری کو جینے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ دکھوں اور محرومیوں کو زندگی کا حصہ تسلیم کرتی ہیں، مگر ان کا شعری رویہ قنوطیت سے ہٹ کر بہتری کی تمنا اور مثبت امکانات کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔اندھیروں، گھٹن اور حبس جیسے استعارے ان کے ہاں کثرت سے ملتے ہیں، مگر ان کے ساتھ ہی امید کی کرن، روشنی کا پہلا شعاع، یا کسی نئی صبح کی جھلک بھی ضرور نظر آتی ہے۔ یہ رویہ نہ صرف ان کی ذاتی زندگی کے تجربات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اس عہد کے اجتماعی شعور کو بھی جلا بخشتا ہے، جس میں امید ہی سب سے بڑی مزاحمت بن کر ابھرتی ہے۔

اگر عشقیہ زاویے سے فرح ملک کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو یہ جذبہ ان کے کلام میں بڑی شدت، سچائی اور دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ فرح ملک نے محبت جیسے نازک اور پیچیدہ موضوع کو جذباتی تصادم کی فضا میں پیش کرنے کی بجائے، اسے حقیقت کے طور پر قبول کرنے اور سلیقے سے برتنے کو ترجیح دی ہے۔ ان کے اشعار میں عشق کی وارفتگی، قربانی، احساس کی لطافت، اور جذبات کی رنگینی ایسی دلنشین اور سچے انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے کہ قاری براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ ان کا طرزِ اظہار نہ صرف فکری سطح پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ ایک لطیف جمالیاتی تجربہ بھی فراہم کرتا ہے جو عشقیہ شاعری کی روح کو نکھار دیتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں سوز و گداز ایک بنیادی اور پہچان بخش عنصر کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ ان کا کلام محض جذباتی اظہار نہیں، بلکہ ایک داخلی کرب اور روحانی تشنگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ دکھ جو رشتوں کے ٹوٹنے سے جنم لیتے ہیں، وہ درد جو اعتماد کے بکھرنے سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ چبھن جو ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیوں میں پوشیدہ ہوتی ہے یہ سب کچھ ان کے اشعار میں اس قدر فطری روانی سے سمٹ آتا ہے کہ قاری خود کو اس تجربے کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ تنہائی کی تپش، ادھورے اور بے نام تعلقات کا خلا، اور جدائی کے نقوش کو فرح نہایت نفاست سے شعری صورت دیتی ہیں۔ ان کے اشعار نہ صرف درد کے رنگوں میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ جذبات کی تہہ در تہہ گہرائیوں کو بھی منکشف کرتے ہیں۔ یہ سوز، صرف نوحہ گری نہیں بلکہ ایک شعوری کیفیت ہے جو قاری کے احساسات کو جھنجھوڑتی ہے اور دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں زندگی کی ناپائیداری کا موضوع نہایت لطیف مگر درد انگیز پیرائے میں نمایاں ہوتا ہے۔ ان کا شعری اسلوب اس عارضی دنیا کی بے ثبات حقیقتوں کو نہ صرف اجاگر کرتا ہے بلکہ قاری کو لمحہ لمحہ زندگی کی اصل ماہیت کا احساس دلاتا ہے۔ وقت کی تیز رو، رشتوں کی کمزور ڈور، اور انسان کے فانی وجود کا شعور مل کر ان کے کلام میں اس طرح جذب ہوتے ہیں کہ ہر شعر گویا ایک فکری جھروکہ کھولتا ہے۔ فرح ملک لمحاتی احساسات کو وقتی تجربات سے بلند کر کے ایک دائمی ادبی سچائی میں ڈھالتی ہیں۔ ان کی غزلوں میں زندگی کے گزر جانے کا دکھ محض ایک نوحہ نہیں بلکہ ایک گہری معنویت کا حامل احساس ہے، جو قاری کو زندگی کی اصل حقیقت سے آشنا کرتا ہے۔ یہی فکری عمق اور جذباتی صداقت ان کی شاعری کو عارضی جمالیات سے نکال کر دائمی تاثر عطا کرتی ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں رومانیت محض تخیل کی پرواز نہیں بلکہ احساس، مشاہدے اور داخلی صداقت سے جڑا ہوا ایک فکری اور جذباتی تجربہ ہے۔ ان کے کلام میں رومانوی جذبے کی نمود کسی خوابیدہ تصور یا مبالغہ آمیز کیفیت میں

نہیں بلکہ ایک زندہ، حقیقی اور دھیمے ادراک کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ وہ محبت کو محض ایک وقتی جذباتی ردعمل کے طور پر نہیں، بلکہ ایک مہذب، پُراثر اور گہرے انسانی تعلق کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ ان کے اشعار میں یادوں کی نرمی، جذبات کی گہرائی، اور روح کی پاکیزگی سے لبریز عشقیہ کیفیت، قاری کو کسی خواب کی نہیں بلکہ اپنی حقیقت کی بازگشت محسوس کراتی ہے۔ فرح ملک نہ صرف انسانی رشتوں کی نزاکت کو فنکارانہ مہارت سے بیان کرتی ہیں بلکہ فطرت کے مظاہر، ماضی کی سادگی، اور روحانی وابستگی کو بھی دل نشیں انداز میں رومانوی علامتوں کے ذریعے اجاگر کرتی ہیں۔ جگنو کی ٹمٹماہٹ، بارش کی نمی، گاؤں کی سوندھی یادیں، اور عشق کا بے غرض ایثار یہ سب عناصر ان کی شاعری کو محض رومانی نہیں بلکہ فکری اور جمالیاتی سطح پر گہرائی عطا کرتے ہیں۔ یہی امتزاج ان کے کلام کو روایت اور تجدید کا حسین سنگم بنا دیتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری کا ایک نمایاں وصف اس کی حقیقت نگاری ہے، جو ان کے فن کو محض جذباتی اظہار سے نکال کر ایک فکری اور سماجی دستاویز کی حیثیت عطا کرتی ہے۔ انہوں نے زندگی کو جیسا دیکھا، محسوس کیا اور پرکھا، اسے بنا تصنع اور بنا مصلحت کے شعری قالب میں ڈھال دیا۔ ان کے اشعار میں تلخ حقائق کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ خواہ وہ معاشرتی ناانصافیاں ہوں، رشتوں کی ناپائیداری، یا سچ بولنے کی قیمت۔ وہ زندگی کے ان پہلوؤں کو نہ تو مبالغے کے پردے میں چھپاتی ہیں، نہ ہی غیر ضروری جذباتیت کا سہارا لیتی ہیں؛ بلکہ ایک خاموش، مگر گہری صداقت کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں حقیقت پسندی صرف موضوعات کی سطح تک محدود نہیں بلکہ ان کے لہجے، علامتوں، اور طرزِ اظہار میں بھی جھلکتی ہے۔ یہی وصف ان کے کلام کو زندگی کے قریب تر بناتا ہے اور قاری کو ایک سچے، بے ساختہ تجربے سے روشناس کراتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری کا سب سے اہم اور نمایاں پہلو اس کا نسائی لہجہ ہے، جو ان کے کلام کو ایک منفرد اور داخلی صداقت سے مزین کرتا ہے۔ ان کے اشعار محض عورت کے جذبات کی ترجمانی نہیں کرتے بلکہ ایک مکمل نسوانی شعور کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اپنے شعری اظہار میں عورت کے جذبات، اس کی فکری پیچیدگی، سماجی الجھنوں، اور نفسیاتی گہرائیوں کو بڑی سچائی اور فنکارانہ چابک دستی سے پیش کرتی ہیں۔ ان کا لہجہ کہیں نرم اور لطیف ہوتا ہے، تو کہیں مزاحمت سے بھرپور، لیکن ہر صورت میں باوقار اور بااختیار دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی نظموں اور غزلوں میں عورت کے ہر روپ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو نہایت خلوص، گہرائی اور داخلی تجربے کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری صرف جذباتی اثر نہیں رکھتی بلکہ فکری سطح پر بھی ایک گہرا تاثر چھوڑتی ہے۔ فرح ملک کا نسائی لہجہ محض صنفی

شناخت نہیں، بلکہ ایک فکری اور تہذیبی بیانیہ ہے، جو اردو شاعری میں عورت کے باوقار اور بیدار شعور کی نمائندگی کرتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں جدتِ فکر اور طرزِ اظہار کا ایک منفرد امتزاج ملتا ہے۔ ان کے کلام میں ایسا تخلیقی اور چونکا دینے والا انداز پایا جاتا ہے جو قاری کو روایتی دائروں سے نکال کر ایک نئے فکری جہان سے روشناس کراتا ہے۔ ان کے اشعار نہ صرف داخلی کرب اور نسائی تجربات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں بلکہ معاشرتی رویّوں، تعلقات کی پیچیدگیوں اور عورت کی نفسیاتی کشمکش جیسے اہم موضوعات کو بھی نئے زاویے سے بیان کرتے ہیں۔ وہ موضوعات جنھیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، فرح انھیں اپنے مخصوص تخلیقی رنگ سے ابھارتی ہیں بی خواہ وہ خاموش کرداروں کی آواز بننے کی بات ہو یا محبت کی شروعات میں پنہاں حیرت کا لمحہ۔ اسی طرح خوابوں کو آنکھوں پر تھوپنے کی مجبوری اور منافقت کے دوہرے چہروں سے خبردار کرنے جیسے پہلو بھی ان کی شاعری کو ایک فکری گہرائی عطا کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض اشعار میں روایتی استعارے استعمال کیے گئے ہیں جیسے ''یہ گھر ایک قید خانہ ہے''، مگر فرح ملک ان پر اپنا اسلوبیاتی تاثر اس انداز سے ثبت کرتی ہیں کہ قاری کو جدّت کا ایک نیا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ ان تمام خصوصیات نے ان کی شاعری کو محض جذباتی اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے فکری سطح پر بھی ایک قابلِ اعتراف مقام عطا کیا ہے۔

فرح ملک کا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' اسلوبیاتی اعتبار سے بھی نہایت اہم اور قابلِ مطالعہ ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف محسوسات کی شدت اور جذبے کی سچائی سے بھرپور ہے بلکہ زبان و بیان، آہنگ، تشبیہ و استعارہ، عروضی ساخت اور فنی سلیقے کے لحاظ سے بھی ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ ان کی غزلیں اگرچہ روایتی اسلوب سے جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، تاہم ان میں جدید حسیت، علامتی اظہار اور فکری ندرت نمایاں طور پر موجود ہے، جو انھیں معاصر شاعرات میں ایک منفرد شناخت عطا کرتی ہے۔ خاص طور پر وہ غزل جس کی ردیف ''کی طرح'' ہے، اسلوبیاتی خوبیوں کی ایک حسین مثال ہے۔ چونکہ ''کی طرح'' بذاتِ خود ایک حرفِ تشبیہ ہے، اس لیے اس غزل کے ہر شعر میں تشبیہ کے فطری اور جمالیاتی امکانات کو نہایت ہنرمندی سے برتا گیا ہے۔ یہ غزل صرف صناعی کی سطح پر نہیں بلکہ اسلوبیاتی تنوع کے لحاظ سے بھی قابلِ تحسین ہے۔ مجموعی طور پر فرح ملک کی شاعری میں ایک ایسا متوازن اور پراثر اسلوب ملتا ہے جو فنی چابکدستی اور جذباتی صداقت کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔

فرح ملک کے اسلوب میں استعارہ نگاری ایک مؤثر فنی وسیلہ بن کر ابھرتی ہے، جو نہ صرف ان کے شعری

خیالات کو گہرائی عطا کرتا ہے بلکہ ان کے مافی الضمیر کی تہوں کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ان کے ہاں استعارہ محض فکری آرائش نہیں بلکہ ایک فکری تجربے کی جمالیاتی پیشکش ہے۔وہ ''تیر'' کو آخری سانسوں کی اذیت کے لیے بطور استعارہ برتتی ہیں، جو محض جسمانی تکلیف نہیں بلکہ ایک روحانی اور داخلی کرب کی نمائندگی کرتا ہے۔''پل صراط'' جیسے مذہبی اور معنوی استعارے کو وہ نازک رشتوں، فیصلہ کن لمحات اور زندگی کے کٹھن مرحلوں کے اظہار کے لیے استعمال کرتی ہیں، جو ان کی فکری بصیرت اور معنوی تہہ داری کا ثبوت ہے۔اسی طرح محبوب کو ''مشکل نصاب'' کا استعارہ دے کر وہ محبت کی پیچیدگی، جذبات کی گرفت اور اس رشتے کے فہم کی دشواری کو فنکارانہ انداز میں نمایاں کرتی ہیں۔ ''کرچیاں'' ان کے ہاں خوابوں کے ٹوٹنے کی علامت کے طور پر آتی ہیں، جو انسانی جذبات کی شکستگی اور بے بسی کو نہایت شدت سے قاری کے سامنے رکھتی ہیں۔یوں فرح ملک کے ہاں استعارے صرف تخلیقی ہنر کا مظہر نہیں بلکہ ان کے داخلی احساسات کی تصویری زبان بن کر سامنے آتے ہیں۔

فرح ملک کی شاعری میں جہاں استعاروں کے ذریعے گہرے جذبات اور پیچیدہ کیفیات کا اظہار ملتا ہے، وہیں علامتوں کا استعمال بھی ان کے اسلوب کا ایک نمایاں وصف ہے۔ان کے ہاں ''خزاں'' فنا، زوال اور زندگی کی ناپائیداری کی علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہے، جب کہ ''سانسیں'' زندگی کے تسلسل اور جینے کی آرزو کی علامت بن کر ابھرتی ہیں۔''بیل'' معاشرتی رویوں، پابندیوں اور قدامت پرستی کا علامتی اظہار ہے جو سماجی جبر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔''کانٹے'' ان کی شاعری میں بدخواہی، نفرت اور تلخ حقیقتوں کا استعارہ بن کر سامنے آتے ہیں، جب کہ ''پیاسی زمین'' انسانی دل کی تشنہ جذباتی کیفیت اور محرومی کی علامت ہے۔اسی تسلسل میں ''بادل'' کسی محبوب کی طرف سے آنے والی خوشی، امید یا راحت کا استعارہ بن جاتے ہیں، اور ''کمرہ'' تنہائی، خالی پن اور دل کی ویرانی کو علامتی انداز میں ظاہر کرتا ہے۔یہ تمام علامتیں فرح ملک کے فکری پس منظر اور داخلی تجربات کی ترجمان ہیں، جن میں جدید عہد کی حسیت اور انسانی نفسیات کی پیچیدگی جھلکتی ہے۔ان کے علامتی اظہار میں ایک تازگی اور جدت ہے جو انھیں روایتی شاعری سے ممتاز کرتی ہے۔

فرح ملک کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت اس کی اثر انگیزی ہے، جو براہِ راست قاری اور سامع کے دل میں اترتی محسوس ہوتی ہے۔ان کے اشعار میں جذبات کی جو شدت اور سچائی نظر آتی ہے، وہ کسی تصنع یا بناوٹ سے پاک ہے، جو اثر پذیری کو مزید مؤثر بنا دیتی ہے۔یہی خلوص، سادگی اور داخلی سچائی ان کی شاعری کو محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک جذباتی تجربہ بنا دیتی ہے۔دکھ، خوشی، عشق اور غم جیسے موضوعات جب وہ بیان کرتی ہیں تو ان کے لہجے

کی بے ساختگی اور صداقت اشعار کو دیر پا تاثر عطا کرتی ہے۔ یہی اسلوبی اخلاص قاری کے ذہن میں ان کے اشعار کو محفوظ کر دیتا ہے اور ان کی شاعری ایک جذباتی وابستگی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ یوں ان کی اثر پذیری محض ایک جمالیاتی خوبی نہیں، بلکہ ان کے تخلیقی خلوص کی غمازی بھی کرتی ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں سلاست، سادگی اور روانی صرف فنی خوبیاں نہیں بلکہ ان کی نسائی شناخت اور داخلی شعور کا آئینہ بھی ہیں۔ ان کے ہاں جو نسوانی لہجہ ابھرتا ہے، وہ محض روایتی جذبات کی نمائندگی تک محدود نہیں، بلکہ ایک باشعور، باوقار اور خود آگاہ عورت کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں عورت مظلوم، محکوم یا محض جذباتی پیکر کے بجائے ایک مکمل انسانی وجود کے طور پر سامنے آتی ہے۔ جو محسوس بھی کرتی ہے، فیصلے بھی کرتی ہے اور ردِعمل دینے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ محبت، دکھ، رشتے، خودداری، سماجی تضادات اور دھوکہ جیسے موضوعات جب ان کے قلم سے نکلتے ہیں تو ان میں ایک ایسی نسائی صداقت شامل ہوتی ہے جو نہ صرف داخلی کیفیات کی عکاسی کرتی ہے بلکہ معاشرتی ڈھانچوں پر سوال بھی اٹھاتی ہے۔ فرح ملک کی شاعری کی یہی خوبی ہے کہ وہ نسائیت کو ایک ایسی ادبی آواز عطا کرتی ہیں جو دیر تک قاری کے ذہن و دل میں گونجتی رہتی ہے۔

فرح ملک کی غزلوں کا اسلوب محض روایتی ڈھانچوں کا تسلسل نہیں، بلکہ ایک واضح جدید حسیت کا عکاس ہے۔ ان کی غزلوں میں روایتی تنوع کی جگہ موضوعاتی وحدت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، جو جدید غزل کے اسلوبی رجحان سے ہم آہنگ ہے۔ وہ کسی ایک جذبے یا خیال کو غزل کی ابتدا سے اختتام تک نہایت یکسوئی اور فکری تسلسل کے ساتھ برتتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی متعدد غزلیں ایک وحدانی تاثر پیدا کرتی ہیں، جس میں ہر شعر مرکزی خیال کا جزوِ محسوس ہوتا ہے نہ کہ کوئی الگ یا مجرد کیفیت۔ یہ اسلوبی یکسانیت نہ صرف ان کی فکری پختگی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ ان کی تخلیقی سنجیدگی اور جدید شعری شعور کی بھی مظہر ہے۔ فرح ملک کی غزل اس لحاظ سے جدید اردو غزل کی اُس روایت سے جڑی نظر آتی ہے جس میں ربط، تسلسل اور وحدت کو محض اتفاقی نہیں بلکہ شعوری اسلوبیاتی حکمتِ عملی کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں تازگیِ بیان، جدتِ فکر اور ندرتِ اسلوب ایک ایسے خوشگوار امتزاج کے طور پر جلوہ گر ہوتے ہیں جو ان کے شعری اظہار کو منفرد اور نمایاں بناتے ہیں۔ ان کے ہاں خیالات کی جدت محض موضوعات کے تنوع تک محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق زبان، علامت اور اسلوبیاتی تشکیل سے بھی گہرا ہے۔ وہ الفاظ کا انتخاب سادہ لیکن پُراثر انداز میں کرتی ہیں، جس سے ان کے نسائی لہجے کو نہ صرف انفرادیت حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ قاری کے

ساتھ ایک فکری و جذباتی سطح پر مکالمہ بھی قائم کرتی ہیں۔ ان کے اسلوب میں پائی جانے والی یہ سادگی، نرمی اور تازگی محض اظہار کی سہولت نہیں بلکہ شعور کی تہہ داری اور تجربے کی صداقت کی مظہر ہے۔ یہی عناصر فرح ملک کی شاعری کو محض ایک نسائی اظہار نہیں، بلکہ ایک جدید، باشعور اور تخلیقی تجربہ بنا دیتے ہیں، جو معاصر اردو شاعری میں ان کی جداگانہ شناخت کی بنیاد ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں فنی شعور اور جمالیاتی حساسیت کا امتزاج نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں عروضی التزام، بحور و اوزان کی صحت، اور زبان کی شستگی کو غیر معمولی اہتمام کے ساتھ برتا گیا ہے۔ وہ محض جذبے کی شدت پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ ہر شعر کی تخلیق سے قبل اس کی فنی ساخت، لفظیات اور صوتی حسن کو پوری طرح پرکھتی ہیں۔ ان کی غزلوں میں مترنم اور رواں بحور کا انتخاب، نہ صرف موسیقیت کو تقویت دیتا ہے بلکہ اشعار میں ایک داخلی بہاؤ اور صوتی ہم آہنگی بھی پیدا کرتا ہے۔ قافیہ و ردیف کی ترتیب میں ان کی احتیاط اور سلیقہ مندی ان کی فنی پختگی کی دلیل ہے۔ یہ تمام عناصر ان کی غزل کو صرف ایک تاثراتی اظہار نہیں بلکہ فنی طور پر مکمل اور مربوط شعری اکائی میں ڈھال دیتے ہیں، جو قاری کو نہ صرف معنوی بلکہ صوتی سطح پر بھی متاثر کرتی ہے۔

فرح ملک کی شاعری میں تمثال نگاری ایک اہم اور مؤثر فنی خوبی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کو محض لفظوں تک محدود نہیں رکھتیں بلکہ انہیں تصویری انداز میں پیش کرتی ہیں، جس سے قاری کے ذہن میں ایک واضح اور جاندار منظر ابھرتا ہے۔ ان کی تمثیلات نہ صرف دل کی کیفیت بیان کرتی ہیں بلکہ پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ان مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ یہ بصری اندازِ بیان ان کے کلام میں ایک نیا رنگ بھر دیتا ہے اور ان کے خیالات کو زیادہ مؤثر، واضح اور دل نشین بنا دیتا ہے۔ یہی خوبی ان کی شاعری کو احساس سے آگے لے جا کر ایک تجربہ بنا دیتی ہے۔

الغرض فرح ملک کا شعری مجموعہ ''نہیں رہیں گے'' فکری گہرائی، نسائی شعور اور فنی چابک دستی کا حسین امتزاج ہے۔ اس میں جہاں نسائی احساسات اور جذبات کو نہایت جمالیاتی انداز میں پیش کیا گیا ہے، وہیں زبان و بیان کی سادگی اور خلوص اسے عام قاری کے لیے بھی قابلِ فہم اور دل نشین بنا دیتا ہے۔ موضوعاتی تنوع، اسلوب کی تازگی اور داخلی صداقت اس مجموعے کو اردو شاعری میں ایک منفرد مقام عطا کرتے ہیں۔ یہ محض ذاتی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ ایک باشعور آواز کے ذریعے معاشرتی ناہمواریوں، صنفی امتیاز، ظلم و جبر اور طبقاتی تفریق کے خلاف مزاحمتی شعور کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اس کی شاعری قاری کو نہ صرف سوچنے اور سوال اٹھانے پر آمادہ کرتی ہے بلکہ نئی فکری

راہوں کی تلاش میں رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے۔ فرح ملک کے اسلوب میں موجود جدت، علامتی اظہار اور شعری تکنیکوں کا تخلیقی استعمال اردو شاعری کے جمالیاتی افق پر ایک تازہ اضافہ ہے، جو انہیں معاصر شاعراؤں کی صفِ اول میں نمایاں کرتا ہے۔

کتابیات

۱۔ابوالاعجاز صدیقی (مرتب)، کشاف تنقیدی اصلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۷۵ء

۲۔انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء

۳۔جون ایلیا، شاید، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء

۴۔رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء

۵۔ریاض احمد، تنقیدی مسائل، استقلال پریس، لاہور، ۱۹۶۱ء

۶۔سلام سندیلوی، ادب کا تنقیدی مطالعہ، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، س ن

۷۔عاصمہ وقار (مرتب)، مجموعہ تنقیدات، پروفیسر آل احمد سرور، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء

۸۔فرح ملک، نہیں رہیں گے، سخن سرائے پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۲۴ء

۹۔فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شاعری کا فنی ارتقاء، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء

۱۰۔ہادی حسین، مغربی شعریات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۵ء